حبِ درمان

از قلم زنیرہ رانا

Part 1

اسلامُ علیکم !

بازار آف ناولز پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمارے پلیٹ فارم کا مقصد قارئین تک اردو ادب کا بہترین مواد پہنچانا ہے۔ بہترین ناولز کی پی۔ڈی۔ایف کے لیے ہماری ویب سائٹ ضرور وزٹ کریں۔

اگر آپ لکھاری ہیں اور بہترین مواد لکھتے ہیں، جو بے حیائی سے پاک اور عمدہ کونٹینٹ پر مبنی ہوتا ہے، لیکن آپ کے کام کو پذیرائی نہیں ملتی تو اپنا لکھا ہمیں ضرور بھیجیں۔ بازار آف ناولز کو آپ جیسے لکھاریوں کی اشد ضرورت ہے۔ آپ ہم تک دیے گئے پلیٹ فارمز کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں۔

Website : www.baazarofnovels.com

Gmail : baazarofnovels@gmail.com

Instagram : @baazarofnovels

WhatsApp : +92 3158473374

"یہ ادبی تخلیق بازار آف ناولز کے کے لیے تحریر کی گئی ہے اور بازار آف ناولز کے لیے مخصوص ہے۔ مصنفہ کی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کی اشاعت، نقل یا کسی بھی صورت میں استعمال قانونی جرم تصور ہو گا۔"

حصہ اول: ہمس (سرگوشی)

ماضی جو مر کر بھی زندہ رہتا ہے
کبھی خواب بن کر ڈستا ہے تو
کبھی یاد بن کر ہنستا ہے
کبھی سانس رکتی ہے تو
کبھی سایہ بن کر ڈراتا ہے
اور کبھی یہ سرگوشی بن جاتا ہے
آواز جو تنہایوں میں گونجتی ہے
جو دن میں بھی ساتھ ہے میرے
اور رات کو مجھ میں ڈھلتی ہے
اپنے اندر کے خوف میں گھرا ہوں میں
اور جب ان سے نکلنا چاہتا ہوں تو
یہ طوفان بن کر مجھے قید کرتی ہیں
گزر چکا جو وقت وہ لوٹتا تو نہیں مگر
ان کی آوازیں آج بھی میرے اندر بستی ہیں۔

آئیسل، یہاں آؤ....

ہلکی، تجاذب بھری سرگوشی نما آواز گونجی۔

گل کو دوا دو....

اس سرگوشی میں درد پنہاں تھا۔

گل کو سونا ہے....

اب کی بار وہ سرسراہٹ میں بدل گئی۔

گل... گل... ماہ گل....

اب وہ چیخ و پکار بن گئی تھی، جس میں اضطراب شامل تھا۔اس نے خود کو بے بس پایا۔آگے بڑھنے کی کوشش کی، مگر قدم اٹھنے سے انکاری تھے۔چہرہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔وہ جانتی تھی،اب اگلا منظر کیا ہوگا۔اسے اب اٹھ جانا چاہیے،اور پھر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

کمرا نیم تاریکی میں ڈوبا تھا۔بیڈ سائیڈ لیمپ کی ہلکی روشنی میں اس کے ماتھے پر چمکتے پسینے کے ننھے قطرے نمایاں تھے۔آنکھیں حیرت انگیز حد تک کھولے وہ چھت کو گھور رہی تھی۔ جسم ابھی بھی ہلنے سے

انکاری تھا۔ پھر اس میں دھیرے سے جنبش ہوئی اور وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تکیے پر آبشار کی مانند پھیلے بل دار، بھورے بال اس کے اٹھنے سے کمر پر بکھر گئے۔

اس نے وہی کیا جو وہ اس حالت میں اٹھنے کے بعد کرتی تھی۔ دماغ کو معلوم نہ تھا کہ کیا ہو رہا، مگر جسم اس اسم کا عادی تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے دراز کو کھول کر اس نے اندر سے ایک ڈیوائس باہر نکالی۔ چھوٹا سا ریڈیو نما آلہ، جس کے ساتھ ہینڈ فری کی لمبی تار جڑی تھی۔ اس نے ہینڈ فری کے دونوں سرے اپنے کانوں میں اڑسے۔ انگوٹھے سے ڈیوائس پر لگا بٹن دبایا تو مخصوص آواز گونجنے لگی۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ بالوں کا جوڑا بناتی، وہ کمفرٹر ہٹا کر بیڈ سے اتر گئی۔ ڈیوائس کو کھلے ٹراؤزر کی جیب میں ڈال دیا تھا۔

گلاس ڈور کو سلائیڈ کرتے اس نے بالکونی میں قدم دھرا تو ہوا کے جھونکے اور مانوس خوشبو نے استقبال کیا۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی وہ ریلنگ پر آ ٹکی۔ اوپر سے لٹکتی کورل وائنز کی ہوا سے جھومتی لڑیاں اس کے بالوں کو چھو کر گزر جاتیں۔

اسلام آباد کے ایک پُر سکون رہائشی علاقے میں واقع اس گھر سے مارگلہ کی پہاڑیوں کا ایک خوبصورت منظر ابھرتا تھا، جو اس کی بالکونی سے نظر آتا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے گہرا سانس بھرا۔

ایک...دو... تین۔

اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔ سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، جہاں مہتاب تمام تر حسن و رعنائی سے دمک رہا تھا۔ وہ اسے دیکھے گئی۔ یاسیت سے، انسیت سے، ٹھہر کر.....

"کوئی تم سے نفرت نہیں کر سکتا اور کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہوتی۔"

دھیمی آواز کے ساتھ وہ چاند سے مخاطب تھی۔ شکوہ نہیں تھا، اداسی تھی اور اس سے بڑھ کر پچھتاوا۔

ہوا سے ماتھے پر بکھرے بال لہرائے تو ابرو کے قریب ایک نشان واضح ہوا، جو آدھا ابرو میں چھپا تھا۔

چاند کی روشنی اس پر پڑی تو اس میں چمک سی لہرائی۔

دور سے دیکھنے پر وہ محض کسی زخم کے بعد رہ جانے والا عام سا نشان لگتا تھا، جو غور کرنے پر ہی نظر آتا تھا۔

مگر، قریب سے دیکھنے پر وہ کوئی اور ہی کہانی پیش کرتا تھا۔

آدھے چاند کی شکل کا وہ مدھم پڑ چکا، مگر ابھی بھی قائم آثارِ باقیہ، کسی داستان کا گواہ تھا۔ جس کا انجام توجہ کا طالب تھا۔

مزید کچھ دیر وہاں ٹھہر کر وہ بالکونی کا دروازہ سلائیڈ کرتے اندر چلی آئی۔ اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کا دراز کھولے کھڑی تھی۔ کونے میں ایک جانب پڑے سیاہ رومال میں لپٹی شے کو وہ ہاتھ میں لے چکی تھی۔ بند مٹھی کو کھولتے اس نے متعلقہ چیز ہوا میں لہرائی تو سنگار آئینے میں اس کا عکس ابھرا۔ چاندنی رنگ، پورے چاند کا آدھا ٹوٹا ہوا حصہ، جس کے سرے سے موتی زنجیر کی ایک لڑی لٹک رہی تھی، وہ شاید ایک پینڈٹ تھا۔ اجلی سطح خراش زدہ تھی۔ وہ ہوا میں لٹکے اس ٹوٹے چاند کو دیکھے گئی۔ تاثرات متوازن تھے۔

پھر اس نے جھٹکے سے اسے مٹھی میں دبوچا اور واپس سیاہ رومال میں لپیٹ کر رکھتے دراز بند کر دیا۔ وہ واپس بستر پر جا لیٹی تھی، مگر وہ جانتی تھی اب اسے نیند نہیں آنے والی تھی۔ آسمان پر موجود چاند مکمل تھا، مگر اس کے پاس جو تھا وہ ادھورا تھا۔ کیا اس کا کوئی دوسرا حصہ بھی تھا؟ اگر ہاں تو کہاں تھا؟

زیبرا کراسنگ کی سفید پٹیوں پر چل کر آتی لڑکی نے ہاتھوں میں سورج مکھی کے پھولوں کا ایک جتھا تھام رکھا تھا۔ پٹی کے اختتام پر ایک فلوور شاپ تھی، جبکہ اس کے عقب میں سڑک کی دوسری سمت پرائیویٹ ہاسپٹل کی عمارت نظر آتی تھی۔ فلوور شاپ کا گلاس ڈور دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئی۔ ایک طرف رکھی چھوٹی سی میز پر اس نے پھول دھرے تو آواز پر کونے میں لگے دروازے کے پیچھے سے ایک لڑکی نکل کر سامنے آئی۔ اجلے نقوش والی اس لڑکی کے چھوٹے بال ہلکے گلابی اور کچھ کچھ سفید تھے۔

''گڈ مارننگ، آنی۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

جواباً پھولوں والی لڑکی نے بھی مسکراہٹ اچھالتے اثبات میں سر ہلایا۔

''آج کتنے آرڈرز ہیں؟'' کراس باڈی بیگ اتار کر وہ کاؤنٹر کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی ریم نامی اس لڑکی سے پوچھا۔

’’زیادہ نہیں ہیں۔ کچھ صبح ڈیلیور کروا دیے تھے، اس کے علاوہ چند اور ہیں اور مس سن فلاور کے پھول...‘‘ گردن گھما کر میز پر پڑے ان تازہ پھولوں کو دیکھا۔ مطلب وہ بھی آ چکے تھے۔

’’ٹھیک ہے۔ وہ میں کر لوں گی، تم باقی دیکھ لو۔‘‘ اس کی ہدایت پر وہ سر ہلاتی پلٹنے لگی، پھر ٹھہر گئی۔

’’آنی، یہ مس فلاور کون ہیں جنہیں آپ روز سن فلاورز بھیجتی ہیں؟‘‘ وہ کچھ متجسس ہوئی۔

ایپرن پہنتی آئیسل نے اپنے پیچھے لگے دیوار گیر وی شیپ آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ اس نے سادہ سرخ قمیض کے نیچے کریم کلر کا پرنٹڈ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ بھورے بل دار بال، فش ٹیل چوٹیا میں گوندھے تھے۔ اور سامنے کی طرف دو لٹیں جھول رہی تھیں۔ پاؤں میں سرخ بیلیٹ فلیٹس پہن رکھے تھے۔ رنگت صاف تھی اور ابرو کے قریب ہاف مون کی شکل کا مدھم سا نشان بنا تھا۔

آنکھوں پر نظر پڑنے سے قبل ہی وہ رخ موڑ گئی۔ اب آئینے کی طرف اس کی پشت تھی۔ ریم منتظر سی وہیں ٹکی تھی۔

’’میں بھجواتی نہیں ہوں، وہ خود منگواتی ہیں۔‘‘ اس نے تصحیح کی۔

’’میں پہلی بار ان سے ہاسپٹل میں ملی تھی۔‘‘ گردن پھیر کر گلاس ڈور سے نظر آتے ہسپتال پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔

’’ایڈریس قریب تھا، اس لیے ڈیلیوری کرنے میں خود گئی تھی۔ ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹی تھی اور وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں۔ بہت ہی سویٹ لیڈی تھیں، سارا وقت مجھے سن فلاور کی خصوصیات گنواتی رہیں۔ انہیں سن فلاورز بہت پسند ہیں، اس لیے میں انہیں مس سن فلاور بلاتی ہوں۔‘‘

اس نے وقفہ لیا، پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

”ان کی ایک پوتی تھی جس سے وہ ناراض تھیں کہ وہ ان کی بات نہیں ماتی۔اس نے ان کے لیے پھول بھی نہیں بھیجے تو انہوں نے اپنے لیے خود ہی منگوا لیے۔ان کا کہنا تھا،انسان کو خود سے اتنی محبت تو ہونی چاہیے کہ وہ کسی اور سے ملنے والے پھولوں کا انتظار کرنے کی بجائے خود ہی خود کو خرید کر گفٹ کر دے۔“

ریم کچھ حیرت اور دلچسپی سے مس سن فلاور کی حکایتیں سن رہی تھی۔اس کے ہونٹوں پر پر اسرار سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

”مس سن فلاور تو بہت دلچسپ ہیں۔“اس نے تبصرہ کیا تو آئیسل نے ہامی بھری۔

”ویسے،آنی!آپ کے حساب سے میں کون سا پھول ہوں؟“وہ نگاہوں میں اشتیاق لیے بولی۔آئیسل نے رک کر اسے اور اس کے رنگ برنگے بالوں کو دیکھا۔

”تم کوئی پھول نہیں،بلکہ دھنک ہو۔“آئیسل نے اس کے بالوں کے رنگ پر چوٹ کرتے کہا،جو آئے دن نت نئے رنگے نظر آتے تھے،تو وہ ہنس دی۔

”دھنک...آئی لائک اٹ!میری پرسنیلٹی پر سوٹ کرتا ہے۔کیا کہتی ہیں،نام بدل نہ لوں؟“

وہ سنجیدگی سے بولی تو آئیسل نفی میں سر ہلاتی ہنس دی۔

اسے کام کرتے کچھ ہی دیر گزری تھی جب اسے اپنے نام کی گونج سنائی دی۔اس نے مصروف سی گردن اٹھا کر سامنے دیکھا۔ریم نے اسے پکارا تھا۔وہ ہاتھوں میں سفید ڈیزیز کا خوبصورت سا بوکے تھامے کھڑی تھی۔

"آنی، آپ کے پھول۔" اس نے کہہ کر گلدستہ کاؤنٹر پر اس کے سامنے رکھ دیا۔وہ ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔سفید ڈیزیز بہت خوبصورت تھے۔اس نے آگے بڑھ کر انہیں اٹھالیا۔حسبِ توقع اندر ایک چھوٹا سا کارڈ موجود تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے باہر نکالا۔اس پر ایک نوٹ درج تھا۔

"خوبصورت سی لڑکی کے لیے خوبصورت پھول!"

وہ چند لحظے ٹھہر کر اس سطر کو دیکھے گئی، پھر وہ مسکرا دی۔ایسی مسکراہٹ جو آنکھوں تک پہنچتی ہو۔شہد رنگ، ہرنی جیسی آنکھیں جن پر لمبی پلکوں کا سایہ تھا۔

اس نے موبائل نکالا اور مطلوبہ نمبر پر میسج لکھ کر بھیجا۔

"پھولوں کے لیے شکریہ۔"

جواب فوراً ہی آیا تھا۔

"مائی پلیئر! شام کو ملتے ہیں۔"

"اوکے۔" اس نے چیٹ کھولے بغیر ہی نوٹیفکیشن سے رپلائی کر دیا۔

فون اب خاموش ہو گیا تھا، مزید کوئی میسج نہ ابھرا۔

ایپرن باندھے اب وہ سورج مکھی کے پھول اٹھالائی۔ دراز سے چھوٹا سا کٹر نکالا اور ان کی کانٹ چھانٹ شروع کردی۔

''ریم، یہ ڈیلیور کروادو، ساتھ میں ایک ویل وشنگ نوٹ بھی ڈال دینا۔'' پندرہ منٹ قبل اسے فون پر ایک میسج موصول ہوا تھا۔ اور اب وہ انہیں سجا کر ریم کے حوالے کرتی ایپرن اتار رہی تھی۔

''آپ جارہی ہیں، آنی؟'' ریم اسے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر ایک نگاہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر ڈالی۔ خاموش کھڑی ریم اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔ گھر میں مہمان آئے ہیں۔'' ریم اس کے مہمانوں کی نوعیت سمجھ گئی تھی، تبھی ایک محظوظ مسکراہٹ اچھالتے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ جائیں، میں سنبھال لوں گی۔'' اس نے یقین دہانی کراتے اسے الوداعی کلمات ادا کرتے دروازے تک نظروں سے رخصت کیا۔

وہ گلاس ڈور کھول کر باہر نکل گئی تو وہ بھی کام کی طرف متوجہ ہوئی۔

اگلے ایک مہینے تک وہ یوں ہی غیر حاضر رہنے والی تھی، تو ریم اپنی ذمہ داریوں کے لیے پہلے سے ہی کمر بستہ ہوگئی تھی۔

شاپ سے وہ سیدھا گھر آئی تو داخلی روش پر سفید رنگ کی مرسڈیز کھڑی نظر آئی۔ وہ اس کے ساتھ سے گزر کر سرخ پتھریلی اینٹوں پر پاؤں دھرتی آگے بڑھی، جب ایک جگہ آکر وہ ٹھہر گئی۔ بے ساختہ گردن دائیں جانب گھمائی۔ اس کی نظروں کے حصار میں ایک گھر دکھائی دے رہا تھا۔ بالکل اس کے اپنے گھر جیسا، مگر اس سے کچھ بڑا اور قدرے کھلا۔ اس کی سمت جاتی ایک لمبی روش تھی، جس کے دہانے پر وہ کھڑی تھی۔

اندر سے آتی آوازیں بھنبھناہٹ کی صورت اس تک پہنچ رہی تھیں۔ درمیان میں سبزہ زار تھا، جو ان دونوں گھروں کو آپس میں جوڑتا تھا۔ اس کی نگاہیں خاموش کھڑے گھر کی طرف کے پھولوں تک اٹھیں، جو بہار میں بھی مرجھائے ہوئے اور آب بردن تھے۔ اس نے برجستہ نظریں چرائیں۔ کانوں میں صور کی مانند سرگوشی نما چند جملے گونجے۔ اس نے بے اختیار زمین پر مضبوطی سے قدم جمائے۔

''گل، یہ پھول مرجھا گیا ہے۔'' نوعمر لڑکی گھاس کے قطعے پر اپنے ساتھ بیٹھی عورت سے کہہ رہی تھی۔ نظر مرجھائے ہوئے پھول پر ٹکی تھی۔

''یہ زہر بن گیا ہے، اسے کاٹ دو۔'' عورت نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہی جانچ لیا تھا۔

''لیکن صرف اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟'' وہ کچھ دکھ اور افسوس سے اس مرجھائے ہوئے پھول کو دیکھے گئی۔ کتنا خوبصورت رنگ تھا اس کا، جو اب سیاہ کائی سا ہو گیا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ دوسری شاخوں پر لگے پھول پوری طرح سے کھلے ہوئے تھے۔

اس کے ساتھ بیٹھی عورت گلاب کے پھول کو دیکھ رہی تھی، جس کی کلی ابھی ابھی کھلی تھی۔ ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔

"کسی ایک کو تو قربانی دینی پڑے گی نا، تاکہ باقی زندہ رہ سکیں۔"

آواز دھیمی ہوئی تو اس نے سر جھٹکا۔

وہ ان پھولوں کی جانب سے اندھی بن گئی، جیسے دیکھا ہی نہ ہو یا شاید دیکھنا ہی نہ چاہتی تھی۔

ایک عرصہ ہوا وہاں قدم رکھے اور جاتی بھی کس لیے، وجہ بھی تو نہیں رہی تھی۔

اس نے گہرا سانس بھرا اور اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ ماضی پیچھے چھوڑ آئی تھی وہ اور مستقبل اس کا منتظر تھا۔ مگر کیا ماضی اسے چھوڑنے والا تھا؟

نیویارک، لاس ویگاس

شہری مضافات کے قریب ایک خاموش سڑک پر قدموں کی آہٹ اور ٹائروں کے گھسیٹے جانے کی آواز سنائی پڑتی تھی، جس میں جھینگروں کی مدھم سرسراہٹ کا بھی اضافہ ہوا۔

رات کا وقت تھا اور گرد و نواح میں نظر آتے رہائشی ڈیپارٹمنٹس کی بتیاں روشن تھیں۔ پول کی زرد روشنی تلے، سڑک پر دو سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ موسم قدرے گرم تھا، مگر طبیعت پر گراں نہیں گزرتا تھا۔

''اتنے واضح انکار کے باوجود ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں؟'' ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے لڑکوں میں سے ایک نے پوچھا۔

مہتاب کی روشنی میں اس کا عجیب و غریب حلیہ واضح تھا۔

گھٹنوں سے نیچے آتے سفید شارٹس پر سفید سویٹ شرٹ پہنے، سوٹ کیس کا ہینڈل تھامے ہاتھ میں کئی قسم کے بینڈز باندھ رکھے تھے۔ ہلکی ہلکی مونچھوں کے ساتھ سیاہ بال لمبے تھے، جنہیں باندھنے کی زحمت نہیں کی تھی اور جو حرکت پر دونوں جانب سے کندھوں پر جھول جاتے۔

اس کے برعکس دوسرا وجود اندھیرے میں تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ خاموشی سے نظریں راستے پر جمائے ہوئے تھا۔

جب لمبے بالوں والا لڑکا پھر سے گویا ہوا۔

''بھائی، میں نے آپ کو بتایا نا، وہ لیڈی جسگن کو ر دو جوان لڑکوں کو اپارٹمنٹ دینے پر راضی نہیں۔ ان کا کہنا ہے وہ کسی کپل یا فیملی کو ہی اپنا اپارٹمنٹ دیں گی۔'' اس نے چند منٹ پہلے دہرایا جملہ پھر سے اس کے کانوں میں انڈیلا۔ جبکہ مقابل کی خاموشی اسی طرح قائم رہی۔

لمبے بالوں والے لڑکے نے مزید کچھ نہیں کہا۔ کچھ تعویق کے بعد وہ دونوں ڈوپلیکس اپارٹمنٹ کے خاکستری رنگ کے دو دروازوں میں سے ایک کے سامنے کھڑے نظر آئے۔

رنگ برنگے بینڈز والا ہاتھ گھنٹی پر پڑا تو پھر اٹھنا ہی بھول گیا۔

''کس کی آتما کو شانتی نہیں مل رہی؟'' کرخت آواز کے سنگ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک فربہہ سی اولڈ لیڈی دکھائی دیں۔ آنکھیں چھوٹی کیے ان دو اجنبی نوجوانوں کو گھورا۔

''ہیلو! ہمیں شانتی، میرا مطلب اپارٹمنٹ چاہیے۔'' لمبے بالوں والے لڑکے نے زبان پر قابو رکھتے کہا۔ کہیں بھی پھسل جاتی تھی۔ وہ چند سیکنڈ مزید انہیں گھورتے رہنے کے بعد اندر آنے کا کہہ کر مڑ گئیں۔

چند ساعتوں بعد چھوٹے سے لاؤنج میں وہ راکنگ چیئر پر جھولتی نظر آئیں۔

''کیا چاہیے؟'' وہ سید ھا مدعے پر آئی تھیں۔ آنکھیں ہنوز چھوٹی کر رکھی تھیں۔ عمر کے اس حصے میں پہنچ کر ماتھے پر ہمہ وقت شکن رہتی تھی اور ناک پر بن بلایا غصہ۔

''اپارٹمنٹ۔'' سوالوں جوابوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے بھی جھٹ سے جواب دیا۔ دوسرا نفوس تب سے لے کر اب تک خاموش کردار بنا ایک جانب کھڑا تھا۔

''کسے؟'' اگلا سوال آیا۔

''ہمیں۔'' بالوں والے نے جیسے کو تیسے والی مثال پر مکمل اکتفا کرتے جواب دیا۔

''ہم کون؟''

''ہم یعنی میں اور یہ۔'' ہاتھ سے اندھیرے کونے میں کھڑے نوجوان کی جانب اشارہ کیا۔

''نام؟'' اس سے قبل کہ وہ جواب دیتا، دوسرا وجود سائے سے نکل کر سامنے آیا۔ راکنگ چیئر کے سامنے پڑی آرام چیئر پر بیٹھتے، اولڈ لیڈی کو دیکھا۔ قفل لگے ہونٹوں میں بالآخر حرکت ہوئی۔

''کل فون پر آپ سے بات ہوئی تھی۔'' اس نے یاددہانی کروائی۔ جسگن کو رنے یادداشت پر زور دیا اور پھر ان کی آنکھوں میں ابھرنے والا تاثر بے ساختہ تھا۔

''میں نے منع کیا تھا نا کہ میں سنگل لڑکوں کو اپارٹمنٹ نہیں دوں گی۔ تم لوگ گھر تک آ گئے۔ ابھی کہ ابھی نکلو یہاں سے۔'' انگلی اٹھا کر واضح تنبیہ کی۔ رنگ برنگے بینڈز پہنے لڑکا بوکھلایا اور دوسرے کی پشت کو گھور کر دیکھا، جو پُر سکون نظر آتا تھا۔

پھر اس کی نظر اس کے ہاتھ میں جھولتی اس چمکتی چیز پر پڑی، جسے اس نے جیب سے جانے کب نکالا تھا۔ وہ آدھے ٹوٹے چاند کی شکل کا ایک لاکٹ تھا، جس کی چاندی رنگ کی سطح ہلکی مٹیالی تھی، پھر وہ اس عورت سے مخاطب ہوا۔

''میڈم، آپ شانت ہو جایئے، سب ٹھیک ہے۔'' جسگن ابھی تک مشتعل نظر آتیں تھی۔ وہ اس چھوٹے سے دورانیے میں ان کے لب و لہجے کو پہچان گیا تھا۔ اس نے وہ چمکتی سی چیز ہاتھ میں پکڑ کر لہراتے ہوئے ان کی توجہ کھینچی۔

جسگن نے چھوٹی آنکھوں سے پلک جھپک کر اسے دیکھا۔

"وہ سنیں جو میں کہہ رہا ہوں۔"اس کی بھاری مردانہ، پُرکشش سی آواز تھی، جو ریت کے صحرا پر پیاسے کو بھٹکانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ جو سراب میں ڈال کر گول گول گھماتی تھی۔

"آپ بالکل صحیح ہیں!"آواز مزید مدھم ہو گئی۔ ہاتھ ایک مرتبہ پھر ہوا میں لہرایا اور اس کے ساتھ جسگن کی نظریں یہاں سے وہاں پنڈولم کی طرح گھوم گئیں۔ وہ مزید کہہ رہا تھا۔

"ہم برے لوگ نہیں ہیں، نہ ہی ہمارا کوئی غلط ارادہ ہے۔ ہم ایک فیملی ہیں۔ میں اور میری پارٹنر۔" ہاتھ سے پیچھے کھڑے لمبے بالوں اور شارٹس پہنے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

جبکہ وہ تو لفظ "میری" پر گنگ رہ گیا۔ بے اختیار سر جھکا کر ایک نظر خود کے وجود پر ڈالی۔ وہ بھلا میرا سے میری کب ہوا۔ مارے حیرت کے اس نے اپنی کل ہی اگی ہلکی ہلکی مونچھ کو ہاتھ لگا کر جیسے خود کو تسلی دی۔

جبکہ اس کی حرکات و سکنات سے بے نیاز وہ کہہ رہا تھا۔ جسگن نے لمبے بالوں والی اس کی پارٹنر کو ایک نظر دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ رہا آپ کا ایڈوانس چیک، ہم آج سے ہی شفٹ کریں گے۔"اس نے دوسری جیب میں رکھا فولڈ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھا۔"آپ کو ہماری طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔" چمکتی ہوئی شے وہ جیب میں ڈال چکا تھا۔ جسگن نے ایک نظر اس سفید کاغذ پر ڈالی اور دوسری اس نوجوان پر۔

''اور میں تمہاری بات کیوں مانوں؟''انہوں نے پوچھا۔جواباً وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔لاؤنج میں لگی ایل ای ڈی کی سیاہ سکرین میں اس کا سراپا ابھرا تھا۔

''کیونکہ لوگ آراس یامین کی بات مانتے ہیں۔''

اعتقاد و واثق سے بھرپور لہجہ۔اس کی پوری شخصیت ہی پُراعتماد تھی۔اب کہ جسکن نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ دراز قد اور وجیہہ تھا۔جبڑے مضبوطی سے جمے ہوئے۔کندھے مضبوط اور اٹھے ہوئے تھے۔چھوٹے کٹے بال ماتھے پر گرتے تھے اور آنکھیں سیاہ تھیں۔

جسکن نے میز پر رکھے پرس میں سے کھنگال کر ایک چابی نکالی اور خاموشی سے اس کے حوالے کر دی۔جو اس نے سر کے خم سے شکریہ کہتے تھام لی۔پھر وہ مڑا اور زمین پر مضبوطی سے قدم جماتا اپنی پارٹنر کو اشارہ کرتے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

اولڈ لیڈی کی راکنگ چیئر ابھی تک جھول رہی تھی اور کانوں میں اس کے دور جاتے قدموں کی دھمک۔

ایک...دو... تین...اور دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ سب پُرسکون ہو گیا۔

ایک دروازے سے نکل کر اب وہ اسی کے جیسے دوسرے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔وہ تالا کھولتا نظر آیا۔شولڈر بلیڈز مزید واضح ہوئے۔جھکے سر کے بال سیاہ تھے۔ساتھ کھڑا پارٹنر ابھی تک شاک میں تھا۔

''بھائی،کیسے کر لیتے ہیں آپ یہ؟''وہ اس سے مرعوب نظر آتا تھا۔

لاک کھولے وہ گھر کے اندر داخل ہوئے تو راہداری میں لگی خود کار بتیاں پل میں روشن ہوئیں۔ وہ اندر چلے آئے۔

"یہاں سے۔" اس نے انگلی سے دماغ کی سطح پر دستک دی۔

"یہ سب کہاں سے سیکھا آپ نے؟" اسے تجسس ہوا۔

سوٹ کیس ایک طرف اچھالتے وہ صوفے کے ساتھ رکھے بین بیگ پر دھپ سے گرا۔

"میری ماں سے۔" وہ فریج کھولے پانی کی بوتل نکالتا سیدھا ہوا۔ گھٹا گھٹ پانی حلق سے اتارتے صوفے پر آ بیٹھا۔ آدھی ہو چکی پانی کی بوتل اس کی جانب اچھالی، جو مقابل نے ایک ہی جست میں پکڑ لی۔

"کیا وہ ہیپنا تھراپسٹ تھیں؟" کم از کم اسے تو یہی لگا۔

"نہیں، وہ ایک بوٹنسٹ تھیں۔ انہیں ایکسپیریمنٹس کرنا پسند تھا۔" اس نے جواب دے کر آنکھیں موندتے، سر پیچھے کو گرا دیا۔

"اور آج سے تمہارا نام سعد نہیں، سعدیہ ہے۔" آنکھیں موندے ہی اسے مخاطب کیا تو وہ کراہ کر سیدھا ہوا۔

"یہ سراسر جینڈر شیمنگ ہے۔" سعد نامی اس لڑکے نے دہائی دی تھی، جس کا مخالف پر ناخن برابر بھی اثر نہ ہوا۔ ہاتھ اٹھا کر جھلایا، جیسے کہہ رہا ہو۔ واٹ ایور۔

"جو بھی کہیں، آج میں آپ سے دوسری دفعہ متاثر ہوا ہوں۔"

''اور پہلی بار یہ حسین اتفاق کب ہوا تھا؟'' ایک آنکھ کھول کر ابرو اچکاتے باقاعدہ اسے دیکھا، جو ہاتھ سر کے پیچھے باندھے نیم دراز تھا۔ رخ سامنے کی جانب کر رکھا تھا۔

''جب آپ نے میرا تیسرا بریک اپ کروایا تھا۔'' کمال بے نیازی سے بتایا۔

''اونہوں! بچایا تھا، اور وہ تیسرا نہیں، پانچواں تھا۔'' آراس نے تصحیح کی۔

''خیر، تھی تو سیچویشن شپ، لیکن میں اس کے لیے سیریس تھا۔ مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی اور وہ صرف ٹائم پاس کر رہی تھی۔'' افسوس ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ آراس نے نفی میں سر جھٹکا۔

''ایسی محبتیں تمہیں دن میں کئی بار ہوتی ہیں، جو شام ہوتے تک ایکسپائر ہو جاتی ہیں۔''

''ہر بار مجھے ہی ایسی لڑکیاں کیوں ملتی ہیں، جو صرف اپنے مفاد کے لیے میرے ساتھ ہوتی ہیں؟''

آراس نے پھر سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، جو ابھی بھی دیوار کو گھور رہا تھا، پھر اس نے بھی گردن گھما کر آراس کو دیکھا۔ سوالیہ نشان کی علامت چہرے پر ہر جانب مطبوعہ تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا۔

''کیونکہ تمہاری کوئی باؤنڈریز نہیں ہیں۔ تمہارے پیٹرن کو سمجھنا آسان ہے۔ تم کسی کو بھی اپنی حدود میں داخل ہونے دیتے ہو، جو تم سے مفاد کے لیے جڑتے ہیں۔ ریلیشنز ایسے نہیں بنتے، تمہیں خود پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔''

سعد بڑی سنجیدگی سے اس کی ہدایات سن رہا تھا، جب تک کہ اس کا فون نہیں بج اٹھا۔ آراس مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ سعد نے فون نکالا اور ایک نظر سکرین پر ڈالی، جہاں گرل فرینڈ کالنگ لکھا نظر آ رہا تھا، پھر کھسیانا سا ہنستے آراس کو دیکھا، جو اس کے تاثرات سے پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا۔

"اٹس امپورٹنٹ! باقی کا سیشن اگلے بریک اپ پر۔" کہہ کر وہ وہاں سے اٹھتا عجلت میں سیڑھیاں چڑھتا منظر سے رخصت ہو گیا۔

آراس نے گہرا سانس بھرتے میز پر دھرا موبائل اٹھالیا۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ کل تک وہ بریک اپ زون میں داخل ہو چکا ہو گا۔

لاؤنج میں اس وقت چار افراد کی موجودگی یقینی تھی۔ صوفے کی ایک سمت بیٹھی وہ سامنے والے صوفے پر ماں کے ساتھ بیٹھی پھوپھی زاد کزن کی بظاہر بات سن رہی تھی مگر، لاشعوری طور پر وہ اس مرجھائے ہوئے منظر میں ہی کہیں گم تھی۔

درمیانے سے قد اور پرکشش نقوش والی لڑکی کے ساتھ مزید ایک اور رشتہ قائم ہونے والا تھا۔ جبکہ اگلے کی بنیادیں بھی محض تعلق تک ہی قائم تھیں۔

"بھائی نے کہا وہ آپ کے لیے خود رنگ پسند کریں گے۔ آپ ان سے ڈسکس کر لینا۔" خنساء نے رخ اس کی جانب موڑا تو اسے غیر مرئی نقطے کو گھورتے پایا۔

صوفے کے دوسرے سرے پر بیٹھی شہناز پھوپھو نے اب کہ اسے نام لے کر مخاطب کیا تھا۔

''آئیسل... کہاں گم ہو؟'' وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

''جی۔آپ نے کچھ کہا۔'' پھوپھو کی نالاں سی آواز اسے ایک جھٹکے سے حال میں کھینچ لائی تھی۔

''خنساء تمہیں کچھ بتا رہی ہے۔'' اب کہ اس نے رخ خنساء کی جانب کیا، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ہاں، سوری، میرا دھیان نہیں تھا۔کیا کہہ رہی تھی تم؟''

''اٹس اوکے، بھابھی۔'' بھابھی لفظ اسے بہت ہی بھاری محسوس ہوا۔دل پر عجیب سا بوجھ بڑھا۔جب کہ اس سے بے نیاز خنساء پھر سے بتا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے، میں سہیل سے بات کرلوں گی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے کہا۔

''اب تمہاری اس سے شادی ہونے والی ہے، لڑکی۔اسے آپ کہہ کر مخاطب ہوا کرو۔'' پھوپھو کی ناراض سی آواز پھر سے گونجی۔آئیسل نے نرم و متفکر تضاد تاثرات سجائے انہیں دیکھا، جن کے بالوں میں رنگنے کے بعد بھی چاندنی جھلک رہی تھی۔پکے رنگ والے چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔

''جی، پھوپھو۔'' کہہ کر اس نے خنساء کے ساتھ بیٹھی ماں کو ایک نظر دیکھا، جو نظریں چرا گئی۔آئیسل نے گہرا سانس بھرا۔وہ ایڈجسٹ کرلے گی، ہمیشہ کرتی آئی تھی۔

''اسلام و علیکم!'' بے حد مردانہ آواز گونجی۔ماحول کی فضا یکسر تبدیل ہوئی تھی۔وہ باہر سے ابھی ابھی آیا تھا اور دروازے سے ہی ان کی آوازیں سن چکا تھا۔

پھوپھو کے تاثرات یکسر بدلے۔اب وہاں چمک تھی، جو اسے دیکھتے آج کل مزید بڑھ جاتی تھی۔

''وعلیکم اسلام! آگیا میرا بیٹا۔'' لہجے میں شیرینی گھل گئی تھی۔

خنساء بھی اسے دیکھ کر مسکرائی، جب کہ وہ اس پر ایک بھی نگاہ غلط ڈالے بغیر آگے بڑھا اور جھک کر پھوپھو سے ملا۔وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی وارے نیارے ہوئیں۔

زارم جلبانی کو عزت دینا اور کروانا دونوں آتا تھا اور بے عزتی وہ کسی کی سہتا نہیں تھا۔

جھکا سر اٹھاتے وہ سیدھا کھڑا ہوا۔سیاہ پینٹ اور بٹن شرٹ میں ملبوس، بال جیل سے سیٹ کر رکھے تھے۔ ڈارک براؤن آنکھیں نرم تھیں، بالکل اس کی شخصیت کی طرح، گہری مگر نرم۔اس کے کپڑے شکن آلود تھے۔

''سب ٹھیک ہے آئیسل!'' اس نے گم سم سی آئیسل کو مخاطب کیا، جو اس کے سلام کا جواب دے کر چپ ہو گئی تھی، تو وہ پھر سے چونکی۔اس کا اکلوتا بھائی اس کی طرف متوجہ تھا۔

''ہاں، سب ٹھیک ہے۔'' اس نے تائید کر دی تو وہ اثبات میں سر ہلاتے رخ بدل گیا۔

''آپ سب لوگ باتیں کریں، مجھے کچھ کام ہے۔'' سیاہ ایسکاٹ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے وہ آگے بڑھ گیا۔

''کتنا کام کرواتے ہیں یہ موئے یونیورسٹی والے میرے بچے سے۔'' پھوپھو کو الگ فکر ستائی۔خنساء کھسیانا سا ہنس دی۔

”آپا، دراصل بچوں کے مڈز ہورہے ہیں تو پروفیسرز کے ذمے بھی کام بڑھ جاتا ہے۔“اس سب میں پہلی بار طروبہ بیگم نے گفتگو میں حصہ ڈالا۔ ورنہ تو وہ بس اپنی بھابھی کی سن رہی تھیں۔

پھوپھو نے ہنکار بھر کر سر ہلایا۔ جیسے کہہ رہی ہوں، آگ لگے ان یونیورسٹی والوں کو۔

”میں آتی ہوں۔“آئیسل معذرت کرتی اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھی، جب کچن کے کھلے دروازے سے بانو نظر آئی، جو ہینڈ فری کانوں میں لگائے، جھومتی برتن دھو رہی تھی۔ کچھ سوچ کر وہ اندر چلی آئی۔ دبے پاؤں چل کر اس کے کان کے قریب جھک کر پکارا۔ وہ جو اپنی مستی میں فقید تھی، بے اختیار گھبرا کر مڑی۔ صابن لگی پلیٹ ہاتھ سے چھوٹ کر سنک میں جا گری۔

آئیسل کو دیکھ کر اس نے گہرا سانس بھرا۔

”باجی! آپ نے تو میرا ہارٹ فیل کر دیا۔“کانوں سے ہینڈ فری کھینچ کر اتارتے، گیلا ہاتھ سینے پر رکھ کر دہائی دی۔

”اچھا، مجھے لگا پہلے ہی کسی پر فیل ہو گیا ہے۔“ذو معنی لہجے میں کہہ کر شیلف سے ٹیک لگائی۔

بانو کا چہرہ گلنار ہوا۔ ابھی تازہ تازہ ہی تو منگنی ہوئی تھی اس کی۔ آئیسل شرارتی تاثرات سجائے مزید بولی۔

”کام میں دھیان نہیں لگ رہا تمہارا۔“ جان بوجھ کر چھیڑا۔ وہ فوراً سے سیدھی ہوئی۔

”باجی، ایسا کچھ نہیں! قسم لگے جو میں نے ایک دفعہ بھی اسے صبح سے فون کیا ہو۔“وہ حسبِ عادت قسمیں، وعدوں پر اتر آئی۔ آئیسل مسکرا کر نفی میں سر ہلاتی ٹیک چھوڑ کر سیدھی کھڑی ہوئی۔

”ریلیکس! مزاق کر رہی تھی میں۔“لہجہ تسلی آمیز تھا۔

"پھر ٹھیک ہے۔" جھٹ سے جواب آیا۔ "آپ چلیں میں پانچ منٹ میں کافی لاتی ہوں۔"

وہ اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی بول اٹھی۔ کچھ ہی مہینوں میں وہ اپنی باجی کی کافی کی لت سے قریب سے واقف ہو چکی تھی۔ صبح، دوپہر، اور شام ڈاکٹر کے نسخے کی طرح اور کبھی کبھی تو دن میں پانچ دفعہ بھی چڑھا لیتی تھیں۔

چائے والوں کی طرح اس کا کافی کے بغیر گزارا نہیں ہوتا تھا۔

آئیسل نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا مگر گئی نہیں، بانو پھر سے پلیٹ پر جھک گئی تھی۔

"تایا کو کہنا، ان کے حصے والے پھول مرجھا گئے ہیں۔ مالی بلوا کر ان کی صفائی کروا لیں۔"

بانو کو کچھ دیر لگی بات سمجھنے میں، پھر جھٹ سر پر ہاتھ مارا اور گویا ہوئی۔

(تمہاری پھولوں سے محبت فطری ہے آئیسل! تم ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔)

سرگوشی نما آواز گونجی۔ اس نے بے یقین آنکھیں چاروں جانب گھمائی۔ چہرے کے تاثرات پل میں بدلے تھے۔ سلیٹ پر گرفت بڑھاتے وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

جبکہ اس سے بے نیاز بانو کہہ رہی تھی۔

"وہ تو جی گھر ہی نہیں ہوتے۔ کس سے کہوں؟"

آئیسل نے سر جھٹک کر توجہ بانو کی سمت مرکوز کی تو اس کا کہا جملہ سنائی دیا۔

"کہاں گئے ہیں؟" فوراً پوچھا۔

"معلوم نہیں، کبھی آتے ہیں، کبھی جاتے ہیں۔ اور پچھلے ایک ہفتے سے تو ایک بار بھی نہیں دکھے۔"

اس نے خود تک محدود معلومات اس تک بھی پہنچادی، کیونکہ گھر میں محض وہی تھی جو اکثر تایا کے بارے میں پوچھا کرتی تھی۔

''تم گھر نہیں گئی صفائی کے لیے؟'' اسے تشویش ہوئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ایک عرصہ ہوا ان کا مستقل ٹھکانہ کوئی نہ رہا تھا۔ پھر بھی پوچھ بیٹھی۔ نجانے کس کے حصے کے فرض نبھا رہی تھی وہ یا شاید فطری عادت تھی۔

''گئی تھی، مگر، انہوں نے منع کر دیا۔'' اسے منہ پہ دروازہ بند کرنا یاد آیا۔ بڑے لوگوں کی چھوٹی بداخلاقیت۔ ہنہہ... پیسہ تمیز تھوڑی نہ سیکھاتا ہے۔

''کب کی بات ہے؟'' تشویش فکر میں موجزن ہوئی۔

''ایک مہینہ ہو گیا اب تو۔ ویسے ٹھیک ہی کہہ رہے تھے، کوئی رہنے والا بھی تو نہیں جو روز روز صفائی کروائیں۔'' اچھا ہی ہوا جو انہوں نے خود ہی منع کر دیا۔ ورنہ ایک عرصے سے اتنا بڑا گھر صاف کرتے کرتے اس کے ہاتھوں سے شادی والی لکیر ہی مٹ گئی تھی۔ اب کہیں جا کر منگنی ہوئی تھی تو امید بحال تھی۔

''اچھا! اگر وہ گھر آئیں تو انہیں ضرور بتانا۔'' اس نے تاکید کی اور پھر الجھن لیے پلٹ گئی۔ اس کا جی اچھا سننے کو بھی نہ رکی۔

پیچھے وہ پھر سے ہینڈ فریز لگائے برتنوں سے بھڑنے لگی۔ ساتھ ہی اپنے منگیتر کو فون ملایا۔ برتنوں نے اسے افسوس سے دیکھا۔

حق ہا،اس کی قسمیں اور جھوٹے وعدے....

پتھریلی روش پر ہینڈ کیری گھسیٹے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔سیاہ اسٹیلیٹو کی ٹھک ٹھک کسی دھن کی طرح گونج رہی تھی۔سیاہ لانگ اسکرٹ پر سیاہ ہالٹر نیک ٹاپ پہن رکھا تھا۔ایش براؤن لمبے بال سیدھے کر کے کمر پر بکھرے تھے اور گلے میں ایک سفید مفلر ڈال رکھا تھا۔کانوں میں سنہری ائیر کفس جھلک رہے تھے،آنکھوں پر شیڈز چڑھائے وہ اندر کی طرف جاتے چند داخلی زینوں پر رک گئی۔

اسی وقت دروازے سے کوئی نکلتا دکھائی دیا۔

بغیر شکن والی ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس،سلیقے سے جمے بالوں والا زارم یونیورسٹی کے لیے نکل رہا تھا۔جب اس کی نظر دو زینے نیچے کھڑی لڑکی پر پڑی۔وہ پہلے زینے پر ہی رک گیا۔ابرو اچکا کر ایک نظر اس پر ڈالی اور دوسری اس کے ہاتھ میں پکڑے ہینڈ کیری پر۔

مقابل نے آنکھوں پر لگے شیڈز اتار کر بالوں پر جمائے اور مسکرا کر اسے دیکھا۔ہلکی بھوری،بادام شکل آنکھوں والی ایدا کاظم....

اس نے ایک بھرپور نظر زارم پر ڈالی اور پھر آہستہ سے اسے مخاطب کیا،جیسے وہ ہمیشہ کرتی تھی۔

"پروفیسر صاحب!"اور یہ سنتے ہی پروفیسر جی کے تاثرات بدلے تھے۔بے شکن کپڑے رکھنے والے کے ماتھے پر اس وقت شکن پڑ چکی تھی۔جسے ڈلوانے والی میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

وہ اس کے تاثرات سے محظوظ ہوئی۔

"مجھے یونیورسٹی کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کہنا چاہتا تھا کہ میرے راستے سے ہٹنے کی زحمت کریں گی آپ، مگر بولا تو صرف اتنا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی، مگر ڈھیٹ بنی وہیں جمی رہی۔

"اچھا! مگر میں نے تو تمہیں نہیں روکا، پروفیسر۔" لانبی پلکوں کے پار آنکھوں میں تپانے والا تاثر تھا۔

جواباً اُس نے گہرا سانس بھرا۔

"مگر تم میرے راستے کی رکاوٹ بن گئی ہو، مس ایدا۔"

تحمل سے آگاہ کیا۔

"اگر میں رکاوٹ ہوں تو تم راستہ بدل لو۔" جتا کر کہا۔

زارم کے ضبط کا شیرازہ منتشر کرنا اتنا آسان نہیں تھا، مگر یہ لڑکی اس کا ضبط آزمانے کے اسلوب سے آشنا تھی۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ اسے حقیقتاً گیٹ ہو رہی تھی اور پھر نظر اٹھا کر اسے، جو پُرسکون سی وہیں جمی تھی۔

"فلحال تو ہر راستہ تم تک ہی جاتا ہے۔" پروفیسر صاحب نے پھر سے کتابی بات کر دی تھی۔ مگر ایدا کا ظم اس کے ہر مفہوم کو سمجھ کر پڑھ لیتی تھی۔

"راستے میں تو تم میرے کھڑے ہو، پتا نہیں کب سے!"

زارم اس کا جواب سن کر لاجواب ہوا تھا۔ کبھی جو یہ لڑکی اپنی غلطی مان جائے۔ گہری سانس لے کر بالآخر وہ ایک طرف ہوا۔ وہ مسکرا کر ہینڈ کیری تھامتی دو زینے اوپر آئی اور اس کے ساتھ سے ہو کر گزری۔ وہ اس کی پشت پر ایک بھی نگاہ غلط ڈالے بغیر نیچے اترا، جب عقب سے اس کی آواز گونجی۔

''ہیو آ نائس ڈے پروفیسر!'' اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ کہہ کر آگے جاتی دکھائی دی۔ وہ سر جھٹکتا واپس ہو لیا، صبح ہی صبح کالی بلی کی طرح راستہ کاٹ کر نائس ڈے وش کر رہی تھی۔

آنکھوں پر گلاسز لگاتا وہ گاڑی کی جانب چل دیا۔

پیچھے وہ لاونج میں آئی تو کچن سے نکلتی بانو اسے دیکھ کر فرحت مسرت سے جھومتی دوڑ کر اس تک پہنچی۔ یوں بھی وہ سارا دن جھومتی ہی رہتی تھی۔

''ایدا باجی!'' پُرجوش سی اس سے گلے ملتے وہ الگ ہوئی۔

''کیسی ہو، بانو؟'' اس کا حال حوال پوچھتی وہ صوفے پر جا بیٹھی۔

''میں ٹھیک ہوں، باجی۔ مگر آپ اتنے دن بعد آئی، میں نے آپ کو بڑا مس کیا۔'' کاہے کا مس شس.... یہ تو ان نظرانوں کی یاد تھی جو ایدا اکثر اس کے لیے لاتی تھی۔ مگر آج کوئی اضافی بیگ نہ دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی۔ ایدا باجی بھی لگتا ہے کنگلی ہو گئی ہیں۔

''آنٹی کہاں ہیں؟'' اطراف میں نظر دوڑاتے پوچھا۔ اوپر جاتی سیڑھیوں کی دائیں جانب بنے کمروں میں سے ان کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

''وہ تو سو رہی ہیں۔'' بانو کی اطلاع پر اثبات میں سر ہلایا۔

"پانی لاؤں آپ کے لیے۔" نظرانہ نہ ملنے پر بانو سیدھا کافی سے پانی پر آگئی تھی۔ واہ رے بانو، تیرے دوغلے معیار۔

جب کہ وہ نفی میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنی منزل معلوم تھی۔

"نہیں، میں اوپر جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد کافی لے آنا۔" اس نے خود ہی کافی کا کہہ دیا تو وہ جی اچھا کہتی پلٹ گئی۔ جب ایدا نے اسے پکارا۔

وہ انہیں پیروں پر فٹ سے گھومی۔

"بہت مبارک ہو! تمہارا رشتہ ہو گیا، میں جلدی میں تھی تو کچھ لے نہیں پائی۔ لیکن تمہارا گفٹ مجھ پر ادھار رہا۔" وہ کہہ کر اس کا کندھا تھپتھپاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

پیچھے بانو کی منمناہٹ نما آواز سنائی دے رہی تھی۔

"نہیں، اس کی کیا ضرورت..." وہ سیڑھیاں چڑھ گئی تھی تو وہ بھی کچن میں آگئی۔ اچھا ہی ہوا نہیں سنا، وہ تو ویسے بھی مروتاً ہی منع کر رہی تھی۔

اوپر آئیسل کے کمرے میں جھانکو تو وہ دونوں بالکونی میں لگے مصنوعی گھاس نما کارپٹ پر بیٹھی دکھائی دیں۔

ایدا اپنے ساتھ لایا ہینڈی کمرے میں چھوڑ آئی تھی اور گود میں کشن لیے بیٹھی تھی، جبکہ اس کے سامنے بیٹھی آئیسل بھورے بالوں کا جوڑا بنائے، ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس ایک گملا لیے بیٹھی

تھی۔ہاتھوں پر جا بجا مٹی لگی تھی اور وہ ایدا کی کسی بات پر مسکراتی، چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو ہاتھ کی پشت سے پیچھے کر رہی تھی۔

"تم نے جو ڈریس کہا تھا وہ میں لے آئی ہوں۔" اس کے اشارے پر آئیسل نے ایک نگاہ کمرے میں نظر آتے ہینڈ کیری پر ڈالی اور پھر پلٹ کر گملے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کب جانا ہے تم نے؟" ایدا نے یوں ہی پوچھ لیا۔آئیسل نے اسے سرسری سا بتایا تھا کہ وہ سہیل کے ساتھ باہر جانے والی ہے۔زیادہ تفصیل میں وہ بھی نہیں گئی کہ کس نوعیت کی آوٹنگ تھی۔مگر،اب جب وہ دونوں آمنے سامنے تھیں تو پوچھ ڈالا۔

"کل شام کا بولا تھا، پھر پھوپھو لوگ آ گئے تھے۔اب آج رات ڈنر پہ بلایا ہے۔کہہ رہا تھا کچھ بتانا چاہتا ہے۔کوئی سرپرائز کی بات کر رہا تھا۔"

آئیسل نے تفصیلاً آگاہ کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں پھر سے کہہ رہی ہوں، اگر آخری وقت میں فیصلہ بدل جائے تو بتا دینا۔بندہ اٹھوا لیں گے۔"

خالص دھمکی بھرے لہجے میں کہتی وہ تصور میں سہیل کی درگت بنتی دیکھ رہی تھی، یقیناً۔

آئیسل بے ساختہ ہنس دی۔ایدا اور اس کے سیریل کلر تصورات۔

"ضرور، ڈکیتوں کی لیڈر۔" وہ جانتی تھی ایدا کو سہیل کچھ خاص پسند نہیں تھا، اس لیے وہ بات مزاق میں اڑا دیتی تھی، لیکن دوسری طرف مزاق کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔اس کا بس چلتا تو ابھی اسے

کسی دوسرے سیارے پر بھجوا دیتی۔اس نے اپنی دوست کی چوائس پر لعنت بھیجی،ایک وہی نمونہ ہی رہ گیا تھا اس کے لیے، مگر پھر یاد آیا کہ وہ خود بھی تو اسی کی چوائس تھی۔ خیر،اس کا تو کوئی موازنہ نہیں تھا۔

''میں سیریس ہوں، آئیسل۔''تنبیہ کی۔ جواباً وہ ہاتھ میں پکڑا گملہ سائیڈ پر رکھتی اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''اور تمہیں کیا لگتا ہے، میں مزاق میں شادی کر رہی ہوں۔'' یہ سوال تو اسے خود سے بھی پوچھنے کی ضرورت تھی۔ پر خیر....

''تم،اس کے ساتھ خوش نہیں رہو گی۔''وہ فکر مند تھی۔ آئیسل نے اس کے ہاتھ تھامنے چاہے، مگر اپنے مٹی والے ہاتھوں کو دیکھ کر ارادہ ترک کر دیا۔ پھر تکان زدہ سا بولی۔

''تمہیں اور بھائی کو کیوں لگتا ہے کہ میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہوں گی؟''

''اپنے دل سے پوچھو، آئیسل جواب وہیں ملے گا۔''ہلکی بھوری آنکھیں اس کے اندر تک دیکھ سکتی تھیں۔

''دل کی سننے والوں نے خسارے ہی پائے ہیں۔''وہ رخ موڑ گئی اور اپنے پیچھے رکھا ایک اور گملہ اٹھا لیا۔ اس میں لگا ننھا سبز پودا حال ہی میں کھلا تھا۔ وہ اسے ہاتھ سے چھوئے بغیر اس کا جائزہ لینے لگی۔

''کیا معلوم وہ ایک خسارہ ان لاکھ خساروں سے بہتر نکلے۔''وہ پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی، جس پر وہ آنکھ، کان بند کر کے بیٹھی تھی۔

"ایدا، اس بارے میں بات نہیں کرتے۔" اس نے اب کے حتمی سا کہہ کر بات پھر سے ٹال دی۔

آئیسل کو اپنی بے وقوف دوست پر افسوس ہوا اور اس سے بڑھ کر اس سہیل نامی بلا پر غصہ آیا، جس نے اس کی پھولوں والی دوست پر کوئی زہریلا عطر چھڑک دیا تھا۔

"میری آفر آخر تک ویلیڈ رہے گی۔" ایک بار پھر بتایا۔ وہ بے بس سا ہنس دی۔

"او کے، میڈم۔ میں ضرورت پڑنے پر آپ سے ضرور کانٹیکٹ کروں گی۔"

"امید ہے جلدی ضرورت پڑے۔ ویسے یہ کون سا پودا ہے؟" پچھلی بات کا اثر زائل کرنے کو اس نے یوں ہی پوچھ ڈالا۔ وہ بھی موضوع بدلتے پودے کی جانب متوجہ ہوئی۔

"یہ ٹچ می ناٹ پلانٹ ہے۔ اس کے اوپر ہلکے گلابی اور لیونڈر رنگ کے پوم پوم کی شکل کے پھول لگتے ہیں۔" وہ چہک کر بتا رہی تھی، جیسے اپنی کسی خاص چیز کے متعلق آگاہ کر رہی ہو۔ پھولوں اور پودوں کے بارے میں بات کرتے وقت وہ ایسے ہی پرجوش ہو جاتی تھی۔ وہ مزید بھی کہہ رہی تھی۔

"یہ ایک انٹروورٹ پودا ہے۔ جب ہم اسے چھوتے ہیں تو یہ بند ہو جاتا ہے اور اپنے کانٹے نکال لیتا ہے۔ یہ اس کا ڈیفینس میکانزم ہے۔" وہ بتا رہی تھی اور ایدا غور سے سن رہی تھی۔ ہر نئی بات پر اس کے تاثرات بدلتے تھے اور ذہن میں کسی کا تصور ابھرتا تھا۔

"اس کا ایک اور نام بھی ہے۔ 'چھوئی موئی'۔" یکدم ہی ایدا کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا۔ اس نے موبائل نکالا اور کانٹیکٹ لسٹ میں گئی۔ پروفیسر صاحب کے نام سے سیو نمبر کو ایڈٹ کر کے اب وہ اس پر پروفیسر چھوئی موئی لکھ رہی تھی۔ ایک محظوظ مسکراہٹ لیے اس نے سیو کے آپشن پر کلک کیا۔

وہاں یونیورسٹی میں لیکچر لیتے پروفیسر صاحب کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ ان کو ایک مزید لقب سے نوازا جا چکا ہے۔

کیب سے اتر کر وہ ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی تھی۔قرمزی رنگ کی گھیرے دار فراک میں ملبوس،جو ایدا اس کے کہنے پر لائی تھی،پاؤں میں ہم رنگ ہی کھسہ پہن رکھا تھا۔ہیلز وہ بہت کم ہی پہنا کرتی تھی۔
مسکارے سے سجی پلکیں اٹھا کر اس نے سیاہ آسمان کو دیکھا،جو وقفے وقفے سے روشن ہوتا ابر نیساں برسانے کو تیار نظر آتا تھا۔
اس نے ایک گہری سانس لی اور قدم اندر کی جانب بڑھائے۔
یہ پر تعیش سے ریسٹورنٹ کا کپلز اسپیشل کارنر کا منظر تھا۔گلاس وال کے ساتھ سجی میزیں اور ان کے گرد بیٹھے چند منچلے۔خوابیدہ ماحول میں میزوں پر جلتی کینڈلز پر فسوں لگتی تھیں۔
اس نے گردن گھما کر دیکھا تو ایک میز کے گرد وہ اسے بیٹھا دکھائی دیا۔محتاط سی قدم اٹھاتی وہ اس کے پاس پہنچی،جو موبائل میں مصروف نظر آتا تھا۔
آہٹ پر سر اٹھایا تو وہ سامنے کھڑی نظر آئی۔آئیسل نے بھی اسے دیکھا۔

سہیل راسم.... ہمیشہ کی طرح تیار، خوشبوؤں میں نہایا وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتا۔ نیوی بلیو شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے۔ ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''سوری، مجھے کچھ کام تھا تو لینے نہیں آسکا۔'' مسکرا کر معذرت کی تو جواباً وہ بھی مسکراتے نفی میں سر ہلا گئی۔ وہ بہت شائستہ بولتا تھا۔ سننے والا فوراً ہی پگھل جائے۔

''اٹس اوکے!'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئی تو سہیل نے پھر سے گفتگو میں پہل کی۔

''پہلے آرڈر کر لیں۔ پھر آرام سے بات کرتے ہیں۔'' مینیو کارڈ اٹھاتے اس نے ویٹر کو اشارہ کیا تو وہ مؤدب سا قریب چلا آیا۔ اس نے آئیسل سے نہیں پوچھا کہ اسے کیا چاہیے۔ جو خود منگوایا، وہی اس کے لیے بھی آرڈر کر دیا۔ اس سارے دورانیے میں وہ خاموشی سے اس کی ہدایات سنتی رہی تھی۔ جب وہ ویٹر کو بھیج کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں نے تمہارے لیے بھی اسٹیک آرڈر کیا ہے۔ ٹھیک ہے نا۔'' وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا، وہ اندازہ نہ لگا پائی۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی جس کا عادی وہ خود کو بنا رہی تھی، مگر وہ اس سے یہ نہ کہہ پائی کہ اسے ریڈ میٹ نہیں پسند۔

محض اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گھر میں سب کیسے ہیں؟ انکل کب آ رہے ہیں؟'' وہ حال احوال پر آیا تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"ہاں۔سب ٹھیک ہیں۔پاپا کی کال آئی تھی، کہہ رہے تھے کہ شادی سے پہلے آنے کی کوشش کریں گے۔" آئیسل کے والد رفیق جلبانی کاروبار کے سلسلے میں ایک عرصہ پہلے بیرون ملک گئے تھے، مگر ایک بار بھی واپس ان سے ملنے نہیں آئے تھے۔ابھی بھی آئیسل کی شادی پر آنے کی موہوم سی امید دلائی تھی، مگر وقت پر آجائیں گے،اس کا وعدہ نہیں کیا تھا۔لیکن وہ سہیل کے سامنے پورے وثوق سے کہہ رہی تھی کہ وہ ضرور آئیں گے۔

اتنے میں آرڈر سرو ہوا تو وہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔آئیسل دیکھ سکتی تھی کہ اس کا لہجہ معمول سے ہٹ کر خوشگوار تھا۔مگر وجہ وہ ہوسکتی ہے،اس کی امید اس نے نہیں لگائی۔

"میں نے تمہارے لیے خود ہی رنگ لے لی۔امید ہے تمہیں پسند آئے گی۔" کہتے ساتھ اس نے ایک سرخ مخملی کیس کھول کر اس کے سامنے میز پر رکھا۔آئیسل نے اس کی طرف دیکھا۔میز پر دھرے باکس کے وسط میں دمکتا وہ ایک اسکوائر شیپ کا سولی ٹائیر تھا۔آنکھوں کو خیرہ کردینے والی چمک سے لیس۔اس نے ایک نظر رنگ پر ڈالی اور دوسری سہیل کے مسکراتے چہرے پر۔ہلکی ہلکی داڑھی والا وہ نوجوان ہینڈسم نہ سہی، مگر خوش شکل ضرور تھا۔

جواباً وہ بھی پورے دل سے مسکرائی اور ہاتھ بڑھا کر انگھوٹی باہر نکالی۔

"یہ بہت خوبصورت ہے۔" اس نے ستائش سے کہا۔شہناز پھوپھو نے جو سہیل کے انگھوٹی خود پسند کرنے پر اسے پٹی پڑھوانے والی کہا تھا۔وہ اس تحضیک کو بھول گئی۔ان کا لہجہ اور طنز بھرا جملہ بھی۔اس کے لیے یہ زیادہ اہمیت رکھتا تھا کہ سہیل نے اسے اہمیت دی تھی۔

''تم پہنو گی تو اور خوبصورت ہو جائے گی۔'' کہہ کر اس نے انگھوٹی اس کے ہاتھ سے لے کر اس کی رنگ فنگر میں پہنائی۔ وہ مسرت سے مسکرا دی۔ اس پل میں وہ ایدا کی باتیں بھی بھول گئی تھیں جنہیں وہ سارا راستہ سوچتے آئی تھی۔

''تم نے مجھے کچھ بتانا تھا نا...'' اس نے یاددہانی کروائی۔ تو اس کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر کسی جذبے کے تحت جل اٹھیں۔

''ہاں! مجھے تمہیں کچھ بہت خاص بتانا ہے!'' وہ چہک کر بولا۔

''کیا یہ ہمارے بارے میں ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' ایسا ہی سے اس کی کیا مراد تھی، وہ نہیں سمجھی، پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئی۔ جبکہ وہ پرجوش سا بتا رہا تھا۔

''مجھے پی ایچ ڈی کے لیے اسکالرشپ ملی ہے۔ اب میں فائنلی باہر جا سکوں گا۔''

وہ چند پل حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہی اور پھر وہ اس کی خوشی میں اس سے زیادہ شریک بنی۔

''کانگریچولیشنز! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔'' وہ دل سے بولی تھی۔ اسے جلدی ردعمل دینا نہیں آتا تھا، مگر اس نے پوری کوشش کی اس کی خوشی میں خوش ہونے کی۔

''تھینکیو!'' اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں رکھتے کہا۔ پھر فرصت سے ٹھہر کر اسے چبایا۔ گلاس وال سے باہر شہر کی روشنی میں دور سبز پہاڑوں پر بجلی چمکی تو وہ ایک پل کو روشن ہوئے، پھر اندھیرا چھا گیا۔

''کب جانا ہے؟'' وہ اب مزید پوچھ رہی تھی۔

"شادی کے چند دن بعد۔" مختصر ساجواب دے کر وہ پھر سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔

آئیسل نے اس کے جواب پر الجھ کر اسے دیکھا۔

"شادی کے بعد یعنی میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" اسے یکدم ہی انوکھا سا احساس ہوا۔ایک ادھورا خواب اچانک ہی یاد آیا تھا۔

"میں بھی پڑھنے کے لیے باہر جانا چاہتی تھی۔مجھے ماسٹرز کے لیے اسکالرشپ بھی ملی تھی یونیورسٹی کی طرف سے، مگر ابا کے معاشی حالات کے چلتے میں نہیں جا پائی۔سوچا نہیں تھا وہ خواب ایسے پورا ہو گا۔"

لہجے میں اداسی خود ہی گھل گئی تھی، مگر آج خوشی اس پر غالب تھی۔اچھا ہے وہ پھوپھو کے طعنوں سے دور، سہیل کے ساتھ باہر چلی جائے گی۔

جبکہ اس کا اسٹیک کا ایک بڑا ٹکڑا منہ میں لے جاتا ہاتھ درمیان میں ہی ٹھہر گیا۔اس نے ابرو اچکا کر اپنے سامنے بیٹھی پر مسرت سی آئیسل کو دیکھا۔

پھر پٹخنے کے سے انداز میں کانٹا پلیٹ میں رکھا۔

"یہ تم کہاں سے آ گئی بیچ میں...میں یہاں اپنی بات کر رہا ہوں اور تم اپنے ادھورے خواب سنانے بیٹھ گئی ہو۔"

سہیل کے بدلتے تیور اور بدلتی زبان معمولی نہ تھی۔وہ گھبرا کر متوجہ ہوئی۔پھر الجھ کر اسے دیکھا۔

"میں تو بس تمہیں بتا رہی تھی کہ...." وہ اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ گیا۔

''اوپلیز! تمہارا ہر بار کا ہے یہ.... تمہاری محرومیاں، تمہارے خواب اور تمہارا سب کچھ نہیں جاننا ہے مجھے!'' وہ یکدم ہی بدک کر بولا۔ اجلا ماتھا شکن آلود ہوا۔ شائستہ لہجہ عنقاء ہوا۔ اس سہیل راسم سے آئیسل جلبانی ناآشنا تھی۔ یا شاید اصل سے آشنا ہی اب ہوئی تھی۔

''کیا مطلب؟ اگر تم جاؤ گے تو میں بھی تو تمہارے ساتھ...''

''کس نے کہا تم میرے ساتھ جاؤ گی؟ تم یہیں رہو گی ممی کے ساتھ!'' درشت لہجے میں کہتے وہ ایک مرتبہ پھر اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ گیا تھا۔ چہرے کے زاویے بگڑ کر جانور جیسے لگ رہے تھے۔

آئیسل کی آنکھیں بے اختیار نم ہوئیں۔

یہ آنسو رکنے پر رکتے کیوں نہیں۔ ہمیشہ غلط وقت پر غلط لوگوں کے سامنے کیوں بہہ جاتے ہیں، جن کو ان کی اہمیت معلوم نہیں ہوتی۔

''لیکن میں....'' اس نے کہنا چاہا، مگر گلہ رندھ گیا۔ الفاظ ادا ہونے سے انکاری ہوئے۔ دماغ کہہ رہا تھا، سامنے بیٹھے شخص کے لیے تمہارے الفاظ اہمیت نہیں رکھتے۔

''پلیز! اب مزید کچھ مت کہنا اور چپ کر کے کھانا کھاؤ۔'' اپنی دھن میں قید اس نے یہ نہیں دیکھا کہ آئیسل نے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

وہ یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مزید ایک بھی نگاہ اس پر ڈالے بغیر وہ وہاں سے پلٹ گئی۔ آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔ دروازہ کھول کر باہر آئی تو ابر نیساں اس کے آنسو دیکھ کر خود بھی بہہ نکلی۔ آنسو پانی بن گئے اور پانی آنسو....

سڑک پر یہاں وہاں دوڑتے بارش سے بچتے لوگ اور روشنیوں کے ہالے آنسوؤں میں بھیگے دھندلے نظر آئے۔ کہیں اندر ابھی بھی وہ سوچ رہی تھی کہ شاید وہ اس کے پیچھے آئے گا۔ مگر وہ نہیں آیا، کبھی نہیں آتا تھا۔ گرتے پانی کے شور میں ایک سر گوشی گھلتی سنائی دی۔

"تم جلد لوگوں پر یقین کر لیتی ہو، آئیسل۔ اتنی جلدی کسی کے بارے میں رائے قائم نہیں کرتے۔ سب سے حسین پھول ہی اکثر زہریلا پیچ ہوتا ہے۔"

اس نے دونوں کانوں پر ہاتھ دھر لیا۔ آنکھیں البتہ کھلی رکھیں۔ یہ سر گوشیاں اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتی تھیں۔

لاس ویگاس میں موجود ڈوپلیکس اپارٹمنٹ میں سے یہ ایک کا منظر تھا۔ اوپن ائیر کچن میں کاؤنٹر ٹاپ کے گرد رکھی اونچی کرسی پر وہ سامنے لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ ماتھے پر چسپاں سیاہ بال نم تھے۔ آدھے آستینوں والی سفید سویٹ شرٹ سے اس کے کسرتی بازو نمایاں تھے۔ سر پر لٹکتے آرائشی بلب کی زرد روشنی میں لیپ ٹاپ کی کیز دباتے ہاتھوں کی ابھری نسیں سبز تھیں۔ رات کو پر پھیلائے چند ہی لمحے بیتے تھے، جب کھڑکی کے شیشے پر بارش کی بوندوں نے دستک دی۔

کیز دباتی انگلیاں آواز پر تھمیں۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے شیشوں پر پانی لکیروں کی صورت پھسل رہا تھا۔ اس کا ارتکاز بٹ گیا۔ دفعتاً بادل گرجے، اس شور میں اسے ہمس کی صورت چند

جملے سنائی دیے تو وہ آنکھیں موند گیا۔ اسے ان سرگوشیوں کی عادت تھی، جو اس کی ہمراز تو تھیں، مگر ہمراہ نہ تھیں۔

بند آنکھوں کے پار بڑے سے لکڑی کے میز کے نیچے دو ہیولے دکھائی دیے۔ آواز منمناہٹ نما سنائی دیتی تھی۔ لڑکی گھٹنوں کے گرد بازو پھیلائے بیٹھی تھی، جبکہ لڑکا آلتی پالتی مارے نظریں سامنے کے منظر پر ٹکائے ہوئے تھا۔ بجلی چمکی تو وہ دونوں پل بھر کے لیے روشنی کے ہالے میں آئے، پھر اندھیرا چھا گیا۔ لڑکی کی آنکھیں جالی دار دروازے کے سرے سے ٹپکتی پانی کی بوندوں پر تھی۔ تاثرات متوازی۔

"تمہیں پتا ہے، آراس مجھے بارش نہیں پسند۔" وہ اپنے سے چند انچ کے فاصلے پر بیٹھے لڑکے سے مخاطب تھی۔ وہ حیران ہوئے بغیر سامنے دیکھتا رہا۔

"لیکن کیوں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے رازوں کے امین تھے۔ وہ اس راز سے بھی آشنا ہو جانا چاہتا تھا۔

"بارشوں کے موسم میں، میں بیمار ہو جاتی ہوں۔" وہ ہلکے جھپک کر بولی۔ لڑکا اسے نرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"پھر تم بارشوں میں باہر مت جانا۔" وہ اسے ہدایت کر رہا تھا۔ لڑکی نے سمجھ کر سر ہلایا۔ پھر الجھن بھری رقم لیے اسے دیکھا۔ وہ بھی متوجہ ہوا۔

"اور اگر میں پھر بھی بیمار پڑ گئی تو؟" اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

''تو میں ہوں نا۔ میں تمہارا خیال رکھوں گا!''اس نے یقین دہانی کرائی۔ جواباً وہ مسکرائی۔ ہاں، وہ تو ہمیشہ یہیں ہو گا، وہ اس کا خیال رکھے گا۔ اس کا مسلہ حل ہو گیا تھا۔

دفعتاً گڑکتی آواز کے ساتھ بجلی چمکی تو لڑکے نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ لڑکی یہ دیکھتے ہی کھل کر ہنس دی۔ لڑکے نے آنکھیں کھول کر اپنے ساتھ بیٹھی سر جھکائے ہنستی لڑکی کو دیکھا۔ اسے یکدم ہی خفت ہوئی۔

''تم تو خود بجلی سے ڈرتے ہو۔'' وہ اپنے محافظ کی کمزوری پکڑے جانے پر ہنستی چلی جا رہی تھی اور وہ کچھ پریشان سا ہو کر اسے صفائیاں دے رہا تھا۔

ہنسی کی آواز اب مدھم سرگوشی میں بدل گئی اور اس کی سماعت سے دور ہوتی گئی۔ اس نے بند آنکھیں آہستہ سے کھول دیں۔ کانوں میں ایک مرتبہ پھر بوندوں کی ٹپ ٹپ سنائی دینے لگی۔ مدھم موسیقی کی صورت، مگر بے ہنگم....

عادتاً اس نے ہاتھ ٹراؤزر کی جیب کی طرف بڑھایا اور والٹ باہر نکالا۔ مختلف کارڈز اور نوٹ اوپر سے جھلک رہے تھے۔ اس نے والٹ کھولا تو ان کارڈز کے درمیان ایک طرف پاسپورٹ سائز تصویر چسپاں تھی۔ وہ چند پل اداس مسکراہٹ لیے اسے تکے گیا، پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس تصویر کے عقب سے ایک اور تصویر برآمد کی۔

آدھی فولڈ ہوئی تصویر سے سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی کی صورت نظر آتی تھی۔ سر پر اکلیل سجائے، ہاتھوں میں رنگ برنگے پھول تھامے کھڑی لڑکی مسکرا رہی تھی۔ وہ یک ٹک، بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھے گیا۔ سیاہ سموکی آئیز میں ایک ساتھ کہیں جذبے جھلکے تھے۔

دفعتاً کلک کی آواز کے ساتھ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا۔ وہ فوراً سے الرٹ ہوا۔ چھوٹی سی راہداری سے جسگن کور آتی دکھائی دیں۔ اس نے فوٹو فولڈ کر کے والٹ میں ڈالی اور اسے بند کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ تب تک وہ اس کے سر پر پہنچ چکی تھیں۔ ایک جانچتی نظر اس پر ڈالی اور دوسری پورے اپارٹمنٹ پر۔ آج وہ چشمہ پہن کر آئی تھیں اور ہر چیز کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھیں۔

''آپ کو کچھ چاہیے تھا؟'' آراس نے کلام میں پہل کرتے پوچھ ڈالا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے لڑکے! مٹر پنیر تھوڑا زیادہ بن گیا تھا تو سوچا تم لوگوں کو دے آؤں۔'' ایک ہاتھ سے چھڑی تھام رکھی تھی، جبکہ دوسرے ہاتھ میں پکڑا ڈبہ اس کے حوالے کیا، جو اس نے شکریہ کہتے تھام لیا۔

''تمہاری پارٹنر نہیں دکھائی دے رہی؟'' آس پاس نگاہ دوڑاتے پوچھا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا، پارٹنر خود ہی نمودار ہوئی۔ سیڑھیاں پر دھپ دھپ کر کے اترتا، گیلی زلفوں اور شارٹس میں ملبوس، شرٹ سے نادار دسعد کے پاؤں آخری زینے پر جم گئے۔

آراس نے پلٹ کر منہ کھولے کھڑے سعد کو اشارہ کیا تو وہ برہنہ سینے پر ہاتھ رکھتا، عزت بچاتے الٹے قدموں پیچھے ہٹتا، جسگن کی نظروں سے بروقت بچا تھا۔

وہ چشمہ نیچے کرتی غور سے خالی سیڑھیاں دیکھ رہی تھیں۔

''یہ سعدیہ تھی نا؟''انہوں نے یقین دہانی چاہی۔آراس نے سر ہلاتے تائید کر دی۔

''تو یہ واپس کیوں چلی گئی؟''ان کا لہجہ مشکوک ہوا۔

''دراصل وہ شائے ہے تو جلدی لوگوں سے گھل نہیں پاتی۔''آراس نے خجل سا ہوتے تاویل گھڑی۔

''مجھ سے کیسی شرم،بلاؤ ذرا اسے۔''وہ باضد ہوئیں تو آراس نے گہرا سانس بھرا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔

''میڈم،جب وہ کمفرٹیبل ہو جائے گی تو خود ہی آپ سے مل لے گی۔''اب کے وہ ذرا ٹون بدل کر بولا تو وہ اسے گھور کر رہ گئیں۔تبھی اس کے عقب سے سعدیہ نکل کر سامنے آئی۔اب کے اس نے شرٹ پہن رکھی تھی۔سر پر مفلر اوڑھے،کھلے بال چہرے کے آگے کر رکھے تھے۔البتہ شارٹس سے جھلکتی برہنہ ٹانگیں ڈھانپنے کی زحمت نہیں کی تھی۔جسگن نے چشمہ ذرا نیچے کر کے اس مستور لڑکی کو سر سے پیر تک دیکھا۔ساتھ کھڑا آراس بھی حیران سا اسے تک رہا تھا،جو پلو سے بار بار چہرہ چھپا رہی تھی۔

''ہیلو آنٹی!''باریک سی آواز کے ساتھ اس نے خاتون کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا،جو انہوں نے کچھ دیر گھورتے رہنے کے بعد تھام لیا،اور تھاما تو ایسا کہ پھر چھوڑنا ہی بھول گئیں۔

''ہاتھوں پر کچھ لگایا کرو،بڑے ہی مردانہ ہاتھ ہیں تمہارے۔''ہاتھ کو الٹ پلٹ کر دیکھتے تبصرہ کیا تو اس نے گڑبڑا کر ان کی گرفت سے ہاتھ نکالا اور دو قدم پیچھے کھڑے آراس کے پہلو میں جا ٹکی۔

''میرے شوہر کام پر چلے جاتے ہیں تو میں گھر پر اکیلی ہوتی ہوں۔وقت نکال کر آنا تمہیں کچھ اسکن کیئر ٹپس دوں گی۔''

کھلے دل سے پیشکش کی تو وہ ہوں ہاں میں سر ہلاتی وہیں جمی رہی۔ جبکہ جسگن کے سوال ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔اب کہ انہوں نے آراس کو مخاطب کیا۔

''ویسے شادی کا کیا پلان ہے؟'' نجانے کرایہ داروں کا کون سا پورٹ فولیو بنوانا تھا انہیں، جس کے لیے اتنی معلومات درکار تھی۔

''جلد ہی کورٹ میرج کرنے والے ہیں۔'' سعد نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگاتے، اپنی اگلی پچھلی گرل فرینڈز سے تصور میں معافی مانگی۔

''گھر والے راضی ہیں تم لوگوں کے یا بھاگ کر آئے ہو؟'' اگلا سوال فوراً ہی ابھرا۔ آراس نے بے ساختہ کان کی لو کھجائی۔

''جی، راضی ہیں۔'' مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق جواب دے ڈالا۔

''اچھا!'' چھڑی کو حرکت دیتے ایک مرتبہ بھرپورے کا جائزہ لیتی وہ واپسی کے لیے مڑیں۔ آراس بھی ان کے پیچھے ہی دروازے تک آیا جب وہ نا بلد یہ گھومیں۔ وہ دو قدموں کے فاصلے پر ٹک گیا اور ان کے تاثرات جانچنے چاہے، جو چشمے کے پار سے گھور رہی تھیں۔

''اور یہ دروازہ بند رکھا کرو۔'' چھڑی سے پستہ رنگ دروازے کو بجا کر کہا۔ ''آس پاس شریف لوگ رہتے، یہاں کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔'' تادیبی نگاہوں سے کہہ کر باور کرایا۔

"جی ضرور۔" سینے پر ہاتھ رکھ کے وہ تابعداری سے ذرا سا جھکتے ہوئے بولا۔ جسگن نے اسے ٹھہر کر دیکھا۔ پہلی ملاقات پر بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا۔ انہیں اس لڑکے کی یہ ادا بھائی تھی۔ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور پھر اپنے اپارٹمنٹ کی جانب چل دیں۔

وہ دروازہ بند کر کے واپس لوٹا تو ملامتی نگاہوں سے سعد کو گھورتا پایا۔ اس کی تپش زدہ گھوری کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہاتھ جھلایا جیسے کہہ رہا ہو 'واٹ ایور' اور چلتا ہوا آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ میز سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا اور صوفے کے ایک ہتھے پر سر اور دوسرے پر ٹانگیں سیدھی رکھے لیٹ گیا۔

جلتا کڑھتا سعد پیر پٹخ کر واپس گیا اور جب لوٹا تو ہاتھ میں ایک ٹیبلٹ تھام رکھا تھا۔

دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے سامنے کیا تو اس نے ابرو اچکایا۔

"واٹ؟" انداز سراسر بے نیاز تھا۔ سعد نے ملول تاثرات سجائے اس کے ہینڈسم فیس کو دیکھا اور پھر گہرا سانس بھر کر پیچھے ہو بیٹھا۔

"کیا یار بھائی! آپ کام کو سریس ہی نہیں لے رہے۔" انداز اضطرابی تھا۔

"میں کرن سے آل ریڈی ڈسکس کر چکا ہوں۔ یہ ایونٹ وہ مینیج کر لے گی۔" ریموٹ سے چینل بدلتے سنجیدہ لہجے میں آگاہ کیا۔ حیرت سے اس کے سر کی پشت کو تکتے سعد نے ٹیبلٹ پھینکنے کے سے انداز میں صوفے پر اچھالا۔

"پھر مجھے کس لیے رکھا ہوا ہے آپ نے... بیوی بنانے کے لیے..."

آراس نے سر پیچھے گرا کر ایک نظر اوپر سے نیچے تک اسے تکا۔ بھورے لمبے بال، جو ہلکے ہلکے گیلے تھے، کو ہیر بینڈ لگا کر پیچھے جمائے ہوئے تھے۔ بائیں کان میں ایک ننھی سی بالی بھی جھلک رہی تھی۔ اس نے برا سامنہ بناتے بے اختیار سر نفی میں ہلایا۔

"چہ! اتنا بے کار ٹیسٹ نہیں ہے میرا۔" دیکھنے بھالنے کے بعد جیسے لعنت بھیجی تھی اس پر۔ وہ برے منہ بناتے خفا ہوا۔ پھر کچھ یاد آنے پر زخم کہن کو فراموش کرتے اسے مخاطب کر بیٹھا۔

"مس لینا کا فون آیا تھا۔"

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

"کہہ رہی تھیں میموریل ارینج کروانا ہے۔" اس نے ایک چور نظر اس پر ڈالے، مطلع کیا۔ وہ ویسے ہی سکون سے بیٹھا رہا۔

"میں میموریلز نہیں کرواتا۔" کہہ کر خاموش ہوا۔

"جانتا ہوں۔ لیکن انہوں نے ریکوئسٹ کی ہے۔ اچھی آفر بھی دے رہی تھیں۔" وہ جانتا تھا وہ نہیں مانے گا، جبکہ یہاں پر یہ سب عام تھا، پھر بھی کہہ ڈالا۔

"دوبارہ فون آئے تو منع کر دینا۔ چار پیسے کیا آ جائیں ان انگریزوں کے پاس تو انہیں کفن پر بھی ہیرے جڑوانے ہوتے ہیں۔" ٹھہر کر اضافی کیا تو سعد سمجھ کر سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اگلے ایونٹ کے لیے وینڈرز سے بات کرلیتا ہوں۔''ٹیب اٹھاتے اس نے کہا۔آراس نے محض سر ہلا دیا۔وہ بھی خاموشی سے پلٹ گیا،جب پہلی سیڑھی پر اس کے قدم تھمے۔آواز کی سمت دیکھا تو وہ اسی سے مخاطب تھا۔

''اور سنو! یہ زلفیں سنوار کر رکھا کرو اور ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔''وہ اس کے شارٹس پر چوٹ کر رہا تھا۔سعد نے دانت کچکچائے۔

''جیسا آپ کہیں ڈیئر نکلی شوہر!''اسی کے انداز میں چڑ کر کہا۔

''کوئی اور فرمائش؟''پھر ٹھہر کر پوچھا۔

''نہیں۔ابھی کے لیے اتنا ہی ڈیئر مردانہ بیوی!''مسکراہٹ دبا کر کہا تو وہ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

زارم نے لاؤنج میں قدم دھرا تو سامنے ہی صوفے پر ایدا بیٹھی دکھائی دی۔لانگ اسکرٹ کے اوپر ہم رنگ بلاؤز پہنے،نک سک سی تیار،وہ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر بے مقصد انگلیاں چلا رہی تھیں۔سوچوں کا محور بکھرا ہوا تھا،مگر چہرے سے عیاں نہ ہوا۔وہ قدم بہ قدم چلتا آیا اور سلام کرتے دوسرے صوفے پر جا بیٹھا۔درمیان میں ایستادہ شیشے کی میز پر وہ اس کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

بانو بھی اسے آتے ہوئے دیکھ چکی تھی، اسی لیے بھاگ کر پانی لے آئی۔اس سے پانی کا گلاس تھامتے زارم نے میز کی سطح پر رکھ دیا۔

''امی کہاں ہیں؟''اس نے یہاں وہاں نگاہ دوڑاتے، ہر بچے کی طرح گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھے جانے والا سوال دہرایا۔ بڑا ہوتے ہوتے محض یہی فرق آیا تھا کہ اس نے خود آواز نہیں لگائی، جو عموماً بچے لگاتے ہیں۔

''وہ تو پھوپھو لوگوں کی طرف گئی ہیں۔'' وہ مختصر سا بتا کر ہٹ گئی تو اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔اب شادی تک یہ سلسلہ تو آئے دن عام ہونے والا تھا۔ گود میں دھری فائلز جو وہ ساتھ لایا تھا اٹھا کر صوفے پر اپنے ساتھ رکھیں۔ سفید بٹن شرٹ کے کف لنکس اتار تا وہ آستین پیچھے کہنیوں تک چڑھا رہا تھا۔اس سارے دورانیے میں ایدا خاموش نظر آتی تھی۔ حسب عادت اس نے پہل کرتے سلسلہ کلام نہیں جوڑا تھا۔

اس نے ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھا، پھر گلہ کھنکھار کر سیدھا ہوا۔

''آئیسل کا انتظار کر رہی ہو؟'' خلاف معمول اس نے ہی پہل کر دی۔

جواباً سکرین سے چہرا اٹھا کر مقابل کو تکا گیا۔ پھر فون سائیڈ پر رکھتے وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''نہیں۔آنٹی کا انتظار کر رہی ہوں۔'' صاف ظاہر تھا ایسا نہیں ہے، مگر مقابل نے بات چھیڑی ہی تھی تو وہ بھی کیوں ہی نہ طول دیتی۔

''اچھا! اور وہ کس لیے؟'' جانتا تھا اس نے طنز کیا ہے، پھر بھی اضافہ کیا۔ لگتا ہے آج پروفیسر صاحب فرصت لیے بیٹھے تھے یا شاید مقابل کے لیے نکل آئی تھی۔

ایدا آنکھیں اسی پر مرکوز کیے ہوئے تھے۔

''رشتہ مانگنے آئی ہوں۔'' کمال اطمینان اور بے نیازی لیے بتایا۔ البتہ تپانے والا مادا شریر میں دوڑ رہا تھا۔ وہ محظوظ سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ہونٹوں کے کنارے اٹھے محسوس ہوئے۔ مسکراہٹ ضبط کی گئی۔

''کس کا؟'' پانی کا گلاس اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھتے، جو ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی تھی، سے پوچھا۔ بانو تو پہلے ہی نپٹ گئی تھی اور آئیسل کی بھی شادی ہونے والی تھی، پھر وہ کس کا رشتہ لینے آئی تھی۔

''تمہارا...''

پانی حلق سے نیچے اتارتے زارم کو بے اختیار اچھو لگا۔ کھانستے ہوئے آنکھیں اٹھائے تحیر سے اسے دیکھا۔ گردن بے ساختہ یہاں وہاں گھمائی۔ وہ جو تب سے گم سم بیٹھی تھی، اس کے خول میں دراڑ پڑی۔ اب کہ اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتے ہلکا سا مسکرائی۔

''کیا ہوا، پروفیسر اتنا شاک کیوں ہو گئے؟'' جان بوجھ کر مزید چھیڑا۔

''سوچا نہیں تھا آج میرا رشتہ آنے والا ہے۔ پتا ہوتا تو ذرا اچھے سے تیار ہو جاتا۔'' ایک پل کی حیرت تھی جسے وہ سنبھال گیا۔ اب وہاں بھی وہی مقصد رقم تھا جو سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے پر تھا۔ وہ اس کی کہانی میں برابر کا شریک بنا۔

ایدا نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔سیاہ پینٹ اور وائٹ بنا شکن کے بٹن شرٹ میں ملبوس، بال ہلکے سے بکھرے تھے۔ پیچھے ہٹی آستین سے نظر آتے بازوؤں کی ہلکی نیلی اور سبز رگیں نمایاں تھیں۔ گہری بھوری آنکھیں، اٹھی ہوئی ناک اور شارپ جبڑے بھینچے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

''کوئی بات نہیں، پروفیسر! تم مجھے ایسے ہی اچھے لگتے ہو۔''اچھا تو وہ واقعی لگ رہا تھا،اس میں کوئی دو رائے نہیں تھی۔

''سوال پھر میں پوچھ لیتا ہوں۔ایک دوسرے کو جاننا بھی تو ضروری ہے۔''وہ پوری طرح اس کے کھیل میں شامل ہوا۔

''پوچھو!''وہ مکلف ہوئی۔

''پیشہ کیا ہے؟''

''خاندانی ڈکیت۔''زارم نے بنا آواز کے استغفار پڑھا۔

''پسند؟ناپسند؟''

''جو پسند آتا ہے چھین لیتی ہوں۔''

''پسند انکار کردے تو؟''

''ناممکن!''

''مجھے رشتہ منظور نہیں۔''

”تمہاری رائے پوچھی کسی نے؟“ بادامی آنکھوں سے اسے گھور کر دیکھا تو وہ تھوک نگلتے بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ چاہتا تو اس سے بات کیے بغیر بھی وہاں سے جا سکتا تھا، لیکن اسے تو بیر پالنا تھا نا۔ خاموش بیٹھی اسے راس نہیں آئی تھی۔

فائلز اچکتے وہ اس کی گھوری کو نظر انداز کرتا دبے پاؤں وہاں سے ہٹتا چلا گیا۔ پیچھے وہ گردن گرائے ہنس دی۔ پروفیسر کو مزاق ہمیشہ بھاری پڑتا تھا۔ اس کے تاثرات ابھی تک آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ اس کی پشت کو تکتے اس نے بے آواز دہرایا۔ ’پروفیسر چھوئی موئی۔‘

فلوور شاپ پر دوپہر باسی ہو کر شام کے رنگوں میں ڈھلتی نظر آئی۔ گلاس ڈور سے اندر کاؤنٹر کے گرد کھڑی پھولوں پر جھکی لڑکی بظاہر مصروف نظر آتی تھی، مگر اس کے اندر انتشار سا پھیلا تھا۔

سنہری آنکھوں کے گرد ہلکے نظر آتے تھے۔ وہ کل رات سوئی نہیں تھی۔ ساتھ ہی کافی کا خالی مگ پڑا تھا جس کے پیندے پر جھاگ نما کافی کے نشان سوکھ چکے تھے۔ یقیناً اس جیسے ایک دو اور کپس بھی کہیں نیچے پڑے ہوں گے۔

لکڑی کی میز کے اوپر اس کے اوزار ہمیشہ ترتیب سے رکھے رہتے تھے۔

چھوٹی کٹائی والی قینچی، فلورل وائر، سبز فلورل ٹیپ، نرم پلانٹ ٹائیز، بانس کی باریک چھڑیاں اور مختلف سائز کے چھوٹے فریم۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے ایک گملہ اپنی طرف کھینچا۔

اس میں پوتھوس کی لمبی بیلیں تھیں۔

پوتھوس کی بیلیں نرم اور لچک دار ہوتی تھیں، اس لیے انہیں مختلف شکلوں میں تربیت دینا نسبتاً آسان تھا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ پودے کو ایک دم سے موڑا نہیں جا سکتا۔ اس نے ایک باریک فلورل وائر اٹھائی اور اسے بیل کے ساتھ ساتھ رکھا۔ پھر سبز فلورل ٹیپ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے اسے ڈھیلے انداز میں باندھ دیا۔

اس نے بیل کو آہستہ سے خم دیا۔ پہلے ہلکا سا پھر تھوڑا اور۔

اور پھر اسے ایک چھوٹے سے گول فریم کے گرد لپیٹ دیا۔

ہر چند انچ کے بعد وہ بیل کو نرم ٹائی سے فریم کے ساتھ باندھ دیتی۔ کچھ دیر بعد بیل ایک مکمل دائرے کی شکل اختیار کرنے لگی۔

وہ رکی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ شکل ایک رات میں مستقل نہیں ہو گی۔ اسے کئی دن تک اسی سمت میں رکھنا ہو گا، اور وقتاً فوقتاً ٹائیز ڈھیلی کرنی ہوں گی تاکہ بڑھتا ہوا تنا دب نہ جائے۔

وہ ہمیشہ پودوں کو بہت مضبوطی سے نہیں باندھتی تھی۔

اس کا ماننا تھا کہ اگر ٹائی نے تنے کو قابو کر لیا تو شکل خوبصورت ضرور بن جائے گی، مگر پودا زندہ نہیں رہ پائے گا۔

تازہ بنے بو کے سیٹ کرتی ریم نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔ آج اس کی آنی دیر سے آئی تھی اور قدرے خاموش نظر آتی تھی۔ صبح سے اس پودے سے ہی نبرد آزما تھی اور وہ جانتی تھی ایسا وہ تب ہی کرتی تھی جب وہ کسی چیز کو لے کر پریشان ہوتی تھی۔ ایسے موقعوں پر اس کا فلورر ڈیزائنر ابھر کر نکلتا تھا۔

گردن پھیر کر اس نے بو کے اسٹینڈ کے سامنے والی کھڑی کی جانب دیکھا جس میں مختلف شکلوں کے پودے رکھے تھے۔ کسی کا ڈھانچہ تتلی کی شکل کا تھا، جس کا ایک پر کٹا ہوا تھا، تو کسی کا پرندے جیسا جو قید تھا، ایک پیارا سا پھول جو ناراض نظر آتا تھا یا پھر ایک اداس بلی جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ پھر اس نے گردن گھما کر آئیسل کو دیکھا اور دوسری نظر اس کے سامنے رکھے پوتھوس پر ڈالی۔ ناجانے اب وہ کس گریف سے متاثرہ شاہکار میں ڈھلنے والا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کام کی جانب متوجہ ہو گئی، آنی کو اکیلے چھوڑ دینا ہی بہتر تھا۔

قینچی سے اس کی بیل کاٹتے اس کے ہاتھ میں کٹ لگا تو بے اختیار اس کی سسکی نکلی۔ درمیانی انگلی سے خون کا ننھا قطرہ بہہ نکلا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

آنکھوں کے سامنے بھی ایسی ہی سرخ دھند چھائی تھی، جس میں بے بسی موجزن تھی۔ اسے کچھ دیر قبل آئی ماں کی کال یاد آئی۔ وہ پھوپھو کے گھر تھیں اور اس سے خفا خفا سا کہہ رہی تھیں کہ وہ سہیل سے کی بدتمیزی کے لیے معافی مانگے۔ پھوپھو اس سے سخت نالاں ہیں۔

”بدتمیزی؟امی، میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی اس سے۔آپ پوچھیں اس سے غلطی کس کی تھی۔“ غصے پر قابو پاتے وہ بدقت بولی۔بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرتا، الٹاوہ اسے ہی قصوروار ٹھہرا رہاتھا۔

”غلطی جس کی بھی ہے، تم معافی مانگواور بات ختم کردو۔وہ صبح سے کمرے میں بند ہے، کھانا بھی نہیں کھایا۔“ کھانا، وہ تو کل رات سے اس نے بھی نہیں کھایا تھا، کیااس کی ماں کو یہ یاد نہیں تھا؟

”جب میری غلطی نہیں ہے تو میں معافی کیوں مانگوں امی۔“اب کے وہ چلائی تودوسری طرف طروبہ کی تھکی تھکی آوازسنائی دی۔

”آئیسل! تیرا اباپ یہاں نہیں ہے۔مجھ پر مزید بوجھ مت ڈال۔“ یہ کہہ کرانہوں نے فون رکھ دیا۔وہ ہونق سی سیاہ اسکرین کو گھورتی رہ گئی۔آنسوؤں ناجانے کہاں سے آگئے تھے۔ابا پر بے اختیار غصہ آیا، جو کاروباری عہد تھما کروہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔اولاد کے لیے ان کے پاس وقت ہی کہاں تھا۔اور یہاں ماں اسے ہی قصوروار ٹھہرا رہی تھی۔

پردیس جاکر بسنے والوں نے کنارہ کرلیا تھاتو پھراس پر بھی لازم تھاکہ وہ دل کو پتھر کرلے، مگر وہ نہیں کرپاتی تھی۔اتنابے حس نہیں ہواجاتا تھااس سے۔امید کادامن ناچاہتے ہوئے بھی نہیں چھوٹتا تھا۔

پھرکچھ پل بعد وہ آنسو پونچھ کر موبائل اٹھاتی نظرآئی۔سہیل کے نام سے سیو کانٹیکٹ پر کلک کیا۔اب وہ پانچ حروف پر مبنی ایک الفاظ لکھ رہی تھی، جوبظاہر کچھ نہیں تھا، مگر پھر بھی بہت کچھ تھا۔پھراس نے

اسے میسج بھیج دیا۔ وہ اون لائن تھا، میسج فوراً سین ہوا، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے توقع بھی نہیں کی تھی اور پھر فون بند کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

خون کا قطرہ اپنی جگہ پر ہی جم گیا تھا۔ اس نے ٹشو باکس سے کھینچ کر ٹشو نکالا اور اسے بے دردی سے رگڑ ڈالا۔ پھر ٹشو قریب رکھے کوڑے دان میں اچھال دیا۔

اب وہ پھر سے اپنے ادھورے شاہکار کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ تبھی ریم اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اس نے مصروف سا نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بوکے تھے۔ سفید ڈیزیز.... اس نے بے اختیار گہرا سانس بھرا۔ وہ خاموشی سے انہیں اس کے سامنے رکھتی پلٹ گئی۔

اس نے کٹر نیچے رکھتے اس میں رکھا کارڈ نکالا۔ اس پر ایک سطر درج تھی۔

''اٹس اوکے۔ غلطی میری بھی تھی، مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں نے تمہیں معاف کیا، امید ہے تم بھی مجھے معاف کر دو گی۔''

ایک تلخ تبسم اس کے ہونٹوں پر بکھرا۔ کم از کم اس نے مانا تو سہی کہ اس کی غلطی تھی۔ اس نے نیچے جھکتے ایک دراز کھولا۔ اور اس کارڈ کو بقیہ بیشتر کارڈز کے سنگ ایک جانب رکھ دیا۔ پھر سیدھا کھڑے ہوتے پھول نکالے اور انہیں ایک خالی واز میں سجا دیا۔ چہرے کے تاثرات میں کوئی فرق نہ آیا۔

باہر شام اتر آئی تھی اور وہ پھر سے اپنے پوتھوس سے الجھنے کو مڑ گئی تھی۔

وہ باہر اپنی جانب والے آنگن میں سبزہ زار پر یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔سادہ سیاہ قمیض کے ساتھ سفید پرنٹڈ ٹراؤزر میں ملبوس،ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے،سیاہ ویوی بالوں کا میسی بن بنار کھا تھا۔سیدھ میں لمبی کیاری کے گرد بانو پودوں کو پانی دے رہی تھی۔وہ گاہے بگاہے اس پر ایک نظر ڈال لیتی اور کوئی نہ کوئی ہدایت بھی کر دیتی۔جیسے ابھی کر رہی تھی۔

''بانو،گلابوں کو پانی مت دینا،ان کی مٹی بہت گیلی ہے۔انہیں دھوپ لگنے دو فی الحال۔''

ساتھ چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔طروبہ بیگم سے اس نے فی الحال کوئی بات نہیں کی تھی۔ناراضی جتائی جارہی تھی،جو مخالف پر نازک اندام غالب آئی۔مگر ان کی طرف سے بھی پہل نہ ہوئی تو سلسلہ یوں ہی جاری تھا۔

بانو نے ہونٹ بھینچے،جی اچھا کہہ کر انہیں چھوڑ دیا۔بے قرار سی نظر موبائل پر ڈالی جہاں اس کے ہونے والے خسم کی کال آنی تھی۔مجال ہے جو یہ لڑکی سدھر جائے۔یہ تو بھلا ہو اس کی ماں کا،جس نے نوکری چھوڑتے وقت اپنی جگہ اسے بھیج دیا۔کہاں وہ اتنی باشعور محنتی عورت اور کہاں ان کی یہ قنات پسند اور موقع پرست بیٹی۔خیر کام اچھا کر لیتی تھی،تبھی اب تک ٹکی ہوئی تھی۔لمبی سی پراندہ نما گت کو دوسری طرف بل دیتے اب وہ اگلے پودے کی جانب بڑھی۔

اچانک ہی زنگ آلود لوہے کے دروازے کی بے ہنگم سی آواز گونجی تو آئیسل نے چونک کر اس جانب دیکھا۔تایا کے گھر والی سائیڈ کو بھی ایک دروازہ لگتا تھا،جسے کھولتے کوئی اندر داخل ہو رہا تھا۔

آئیسل نے دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کر کے اس جانب دیکھا۔ ملگجے سے لباس میں ملبوس، خاکی شال اوڑھے، ساعت بساعت قدم اٹھاتے وہ تایا یامین ہی تھے۔ وہ یکدم ٹھہر کر انہیں دیکھے گئی، جواب گھر کا دروازہ کھول رہے تھے۔

اسے یاد نہیں پڑتا تھا آخری بار کب اس نے انہیں دیکھا تھا۔ بانو بھی اسی جانب دیکھ رہی تھی۔ یکایک آئیسل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو وہ اشارہ سمجھتے سر ہلاتی اسی جانب بھاگی۔

آئیسل نے ان کے حصے والے گارڈن پر ایک نظر ڈالی تو وہی مرجھائے پھول دکھائی دیے۔ اسے تسلی ہوئی، کم از کم ان کی حفاظت کے لیے کوئی آ گیا تھا۔

وہ چلتی ہوئی آئی اور ایک طرف لگے شیڈ کے نیچے رکھی لوہے کی سفید کرسیاں، جن پر گدیاں رکھی تھیں، میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ مگ میز پر رکھ دیا اور اضطرابی انداز میں ٹانگ جھلانے لگی۔ چند گھڑیاں یوں ہی بیت گئیں، تب بانو آتی دکھائی دی۔ وہ فوراً راغب ہوئی۔ بانو کے تاثرات سے کچھ اچھے کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' تشویش لیے پوچھا۔

''پہلے تو انہوں نے منہ پر دروازہ بند کیا تھا اور آج تو دروازہ ہی نہیں کھولا۔'' وہ خفیف سا کہتے پلٹ گئی۔

بہت دے لیا پودوں کو پانی، اب وہ جا کر اپنے ان سے اپنی صعوبتیں سانجھی کرے گی۔

آئیسل نے کچھ سوچتے ہوئے قدم اس جانب بڑھائے۔ہر قدم کے ساتھ دل کی رفتار تیز اور یادوں کی سلیٹ پر منظر ابھرنے لگے۔کچھ ہمس نما آوازیں بھی جنہیں وہ سرے سے جھٹکتی آگے بڑھی۔ابھی نہیں....اس نے کانوں میں گونجتی آوازوں سے کہا۔

طویل روش پار کرتے وہ دروازے کے سامنے پہنچی۔ماڈرن طرز کا مستطیل دروازہ اس وقت بند تھا۔ اس نے بیرونی زینوں پر قدم دھرے اور دھول میں اٹی بیل پر ہاتھ رکھا۔گھنٹی بجی، مگر کوئی حرکت نہ ہوئی۔اس نے پھر سے بجائی۔

ایک بار...دو بار... تیسری دفعہ اس نے رک کر گہرا سانس لیا اور گھنٹی کی جگہ ندا بلند کی۔

''تایا ابو!'' سیکنڈ کی سوئی آگے بڑھی اور اگلے ہی پل چرچراہٹ کی آواز، دروازہ کھل گیا۔وہ جو مڑ کر جانے لگی تھی سرعت سے پلٹ کر دیکھا۔

وہ سامنے ہی کھڑے تھے۔زرد چہرے کے ساتھ، آنکھوں کے گرد حلقے اور سیاہ بالوں میں چاندنی کی تعداد بڑھ گئی تھی۔وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔وہ دروازہ چھوڑ کر واپس مڑ گئے تو اس نے بھی ان کے پیچھے اندر قدم رکھا۔ایک عرصہ ہوا تھا یہاں آئے۔اس نے اطراف میں نظریں دوڑائیں، سب کچھ ویسا ہی تھا۔ہر کونے سے ماضی گونجتا اور دوڑتا سنائی دیا۔مگر، اس کی توجہ کا مرکز فی الحال سامنے موجود شخصیت تھی۔

وہ ایک دیوار کے سامنے جا کھڑے ہوئے، جس پر جا بجا تصویریں ٹنگی تھیں۔وہ ایک فیملی فوٹو کارنر تھا۔ اس میں اس کی بھی کئی تصویریں تھیں۔وہ درمیان میں لگی گولڈن فریم والی تصویر دیکھ رہے تھے، جس

میں ایک عورت کا چہرہ نظر آتا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ سنہری مائل سیاہ بالوں اور گہری آنکھوں والی عورت....

گل...ماہ گل۔

''آپ اتنے دنوں سے کہاں تھے۔ گھر کی صفائی بھی نہیں کروانے دیتے۔ گارڈن کے پھول بھی مرجھا گئے ہیں اور اس سے بڑھ کر آپ۔'' ایک ہی رو میں اپنی بات کہتے وہ خاموش ہوئی تو انہوں نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ پھر آسودہ سا مسکرائے۔

''تم آج بھی نہیں بدلی، ویسی کی ویسی ہو۔'' آواز میں سالوں کا خلا بھر آیا تھا۔ لہجہ تھکان زدہ سا۔

''مجھے بدلنا نہیں آتا۔ لیکن، آپ بدل گئے ہیں۔'' وہ دوبدو بولی۔ وہ ہنس دیے۔

''حالات کا تقاضا ہے۔''

''غلط! یہ آپ کی چوائس ہے۔'' اس نے تردید کی۔ وہ سر ہلاتے گردن گھما کر ایک دوسری تصویر کو دیکھنے لگے۔ ان کا رخ دیوار کی جانب تھا، جب کہ آئیسل ان کی جانب رخ کیے ہوئے تھی۔ وہ فریم پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ ایک ساتھ بہت سے جذبات لیے، جن میں ملال سر فہرست تھا۔ کہیں نمی بھی چھلکی تھی۔

وہ کن اکھیوں سے اس تصویر کو دیکھ سکتی تھی، جس میں ایک نوعمر سیاہ آنکھوں والا لڑکا مسکرا رہا تھا۔ اس نے نظریں ہٹا لیں۔ پھر تایا کو دیکھا۔

''میری شادی ہونے والی ہے۔'' مطلع کیا۔

''جانتا ہوں۔'' غمزدہ آنکھیں ابھی تک تصویر پر جمی تھیں۔

''مجھے لگا اپنے بھائی کی طرح آپ بھی غم کو سہارا بنائے اپنے مکلف سے بھاگ نکلے ہیں۔'' بھرپور طنز کیا۔ اسے یہ حق حاصل تھا۔ جواباً وہ خاموش رہے، وہ اسی کے قابل تھے۔

پھر پلٹ کر اسے دیکھا اور دو قدم چل کر قریب آئے۔ شال میں چھپا ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پر رکھا۔

''تم خوش ہو؟'' ٹھہر کر پوچھا۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر رخسار کے راستے بہتا گردن میں جذب ہو گیا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ آسودہ سی بولی۔

''میں جو کر سکا کروں گا۔'' انہوں نے تسلی دلائی۔ وہ نفی میں سر ہلاتی دو قدم پیچھے ہٹی۔ ان کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

''میں نے انسانوں سے امیدیں لگانا چھوڑ دی ہیں تایا ابو۔ وہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ آپ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔'' ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے وہ پلٹنے لگی۔ پھر رک کر انہیں دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

غم دونوں کا بڑا تھا۔ فرق یہ تھا کہ ایک چھپانا جانتا تھا اور دوسرا اوڑھنا۔ البتہ راز ہر طرف دفن تھے۔

''سر پر ہاتھ رکھنے ہی آ جایئے گا۔ میرا مان رہ جائے گا۔'' کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ وہ پھر سے گردن موڑے اس تصویری دنیا کو دیکھنے لگے۔ نظریں ایک تصویر پر ٹکیں، جس میں وہ ایک عورت کے ساتھ کھڑے تھے اور ان کے درمیان ایک بچہ تھا، جو دونوں کے ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

وہ اس عورت کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھے گئے۔

"کاش! تم نے میری بات مانی ہوتی، گل۔ تم نے بہت سی زندگیوں کی بہار چھین کر انہیں خزاں تھما دی۔ دیکھو! میں خالی ہاتھ رہ گیا۔" اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر سامنے کیے۔ جیسے وہ انہیں دیکھ رہی ہو۔ مگر تصویریں کب سے دیکھنے لگیں بھلا۔

یامین تایا سے ملنے کے بعد وہ واپس لوٹ رہی تھی، جب اسے آنگن میں اس کی چھوڑی گئی نشست پر زارم بیٹھا دکھائی دیا۔ آج سنڈے تھا تو وہ گھر پر ہی موجود تھا۔ ریڈنگ گلاسز لگائے وہ اپنے سامنے بکھری اسائنمنٹس کو انہماک سے پڑھنے میں مصروف تھا۔ آئیسل نے چلتے چلتے سوچا وہ بھلا کس سبجیکٹ کا پروفیسر تھا۔ پھر یاد آیا۔ وہ لٹریچر پڑھاتا تھا۔

دفعتاً زارم کی نظر اس پر پڑی تو ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلایا۔ وہ رک گئی، پھر اثبات میں سر ہلاتی اس کی جانب چلی آئی۔ اس کے مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے سے کچھ دیر قبل والے تاثرات یکسر ندارد تھے۔ جواباً ریڈنگ گلاسز اتارتا وہ بھی مسکرایا۔ پھر ٹھہر کر اسے دیکھا۔

"کیسی ہو؟" لہجہ عام حال احوال دریافت کرتا نہیں تھا۔

وہ چند سیکنڈ خاموش رہی، پھر ایک گہرا سانس بھر کر بولی۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟ آپ کے سامنے ہوں۔" مصنوعی مسکراہٹ سجائے کہا۔ وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''آئیسل!''تادیبی نگاہوں سے گھور کر پکارا۔

''کیا جاننا چاہتے ہیں بھائی؟''وہ پیچھے ہو کر ٹیک لگاتے تکان زدہ سا بولی۔

''امی سے لڑائی ہوئی ہے تمہاری؟''رسان سے پوچھا۔لہجے میں ایک پل کے لیے بھی سختی نہیں اتری تھی۔نرم طبیعت اس کا خاصہ تھی۔

''امی نے کچھ کہا آپ سے؟''جواباً اُس نے سوال اٹھایا۔

''میں دیکھ سکتا ہوں،آئیسل۔''جتا کر بتایا کہ وہ بھی اس گھر کا حصہ تھا۔

''ہمارا تو چلتا رہتا ہے،کچھ دیر تک ٹھیک ہو جائیں گے۔آپ پریشان مت ہوں۔''تسلی آمیز لہجے میں باور کرایا۔

''سہیل کے ساتھ سب ٹھیک چل رہا ہے؟''وہ دوسری طرف آن پہنچا تھا۔اس کی کسی جانب سے تشفی نہیں ہوئی تھی۔

آئیسل نے ایک نظر اسے دیکھا،پھر تاثرات چھپانے کو رخ پھیر گئی۔مٹھی بھینچ کر خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھا۔

''جی!''یک لفظی کہہ کر بات ٹالنے کی کوشش کی تو زارم نے آگے بڑھ کر اس کی بند مٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیا،جو اس نے بروقت ہی کھول دی۔پھر چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔گہری سنجیدہ نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔پھر دھیرے سے بولا۔

"میں بڑا ہوں، آئیسل۔ مجھے بڑا ہی رہنے دو۔ اپنے کندھوں کو اتنا مت تھکاؤ۔ ابا نہیں ہیں تو کیا ہوا، میں ہوں اور میں ہر حالات میں ساتھ رہوں گا۔ مجھ پر بھروسہ رکھو اور باتیں چھپانا چھوڑ دو۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔ بڑے بھائی ہونے کا فرض نبھایا۔

اس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی ابھری۔ اس نے ایک نظر زارم کے کندھے سے نظر آتے گھر پر ڈالی تو دوسری اس پر۔ اگر لوگ اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے تو لوگ اس کے لیے موجود بھی تھے۔ اس کا دل کیا وہ زارم کو سہیل کی اس رات والی بدتمیزی کے بارے میں بتا دے۔ پھر اس نے سرد سانس خارج کرتے نفی میں سر ہلایا اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ یہ اس کی جنگ تھی اور اسے خود ہی لڑنی تھی۔ اور پھر وہ اپنی غلطی کا مداوا بھی تو کر چکا تھا۔ وہ اسے ایک اور موقع دے سکتی تھی اور وہ دے چکی تھی۔

"مجھے آپ پر بھروسہ ہے، بھائی اور سب ٹھیک ہے۔ اگر کچھ بھی ہوا تو میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔"

بچپن میں وہ بھلے ہی ایک دوسرے سے زیادہ قریب نہ رہے ہوں، مگر جب سے ہوش سنبھالا تھا اس نے زارم کو اس کے لیے اسٹینڈ لیتے دیکھا تھا۔ باپ چھوڑ کر چلا گیا تھا تو وہ اس کا باپ بن گیا تھا اور آج تک اس کے ہر فیصلے میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

"اس کی بھی کیا ضرورت ہے، وہ بھی تم اپنی اس ڈکیت دوست کو بتا دینا۔ آخر مجھ سے زیادہ تو وہ تمہارے قریب ہے۔" بھرپور طنز کرتے وہ ماحول پر چھائی اداسی دور کرنے کو بات بدل گیا۔ وہ ابھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی تو وہ نہیں کریدے گا۔ جبکہ وہ اس کے یوں ایدا کا ذکر کرنے پر نم آنکھوں سے ہنس دی۔

''آپ کو کیسے پتا اس بارے میں؟'' وہ ڈکیت کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''تمہاری اس دوست نے خود بتایا ہے مجھے۔'' وہ گردن جھٹکتے بولا۔ ساتھ ریڈنگ گلاسز اٹھا کر پہن لیں۔

''ایسا کہا اس نے آپ سے؟'' آئیسل کو ابھی تک تصدیق نہیں ہو رہی تھی شاید۔

''ہاں۔ اپنے خاندانی ڈکیت ہونے کا رعب جھاڑ رہی تھی۔'' ایک پیپر ہاتھ میں لیے اب وہ اس پر ریڈ مارکنگ کر رہا تھا۔ پھر عینک کے پیچھے سے ایک محتاط نظر اس پر ڈالی، جو ابھی بھی ہنس رہی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ گلہ کھنکھارتا آگے ہوا۔ پیپر نیچے رکھ دیا تھا۔

''ویسے کرتی کیا ہے وہ؟'' تجسّس سے بچتے بظاہر انداز کو سرسری بنایا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور ٹھہر کر اسے دیکھا، جو منتظر نظر آتا تھا۔

''یہ آپ اس سے خود ہی پوچھ لینا۔'' ٹکا سا جواب تھما کر وہ جس راہ سے آئی تھی اسی پر لوٹ گئی۔ وہ ہنکار بھر کے رہ گیا۔ پھر ایک اور پیپر اٹھا کر اس پر سرخ لکیریں کھینچ ڈالی۔ کیسے نالائق اسٹوڈنٹس تھے اس کے....

سیون میجیک ماؤنٹینز

لاس ویگاس سے دس، پندرہ میل دور صحرا میں واقع یہ ایک پبلک آرٹ تقر رہے۔یہ جگہ سات بڑے ستونوں پر مبنی ہے جو دراصل رنگ برنگے پتھروں کو ایک دوسرے پر جوڑ کر بنائے گئے ہیں۔ مختصر دہائی کے لیے بنایہ مرکز اب ٹورسٹ کے لیے ایک مشہور اسپاٹ بن گیا ہے۔

بادِ سموم اب دھیرے دھیرے شام کی سرخی میں مدفن ہوتی جارہی تھی۔زمین سے آسمان کی طرف باہیں پھیلائے کھڑے ان ستونوں کے سامنے مشرق و مغرب کے سنگم کو خیال میں رکھتے ایک سیٹ اپ ترتیب دیا گیا تھا۔راہ گزر پر پٹ سن کے تھان بچھے تھے، جن کے گرد دونوں اطراف میں مغربی طرز کے آئینہ دار فانوس نصب تھے اور ان کے اندر سے سنہری لو جھلملارہی تھی۔اس کی سادگی میں مشرق کا ٹچ تب شامل ہوا جب ان میں سے اود کی سلگتی سی خوشبو نمودار ہوئی، جس نے صحرا کی خشک ہوا کو معطر کردیا۔

راہ کے اختتام پر ایک بڑا سا اسٹیج سجا تھا۔سنہری خشک ٹہنیوں کے درمیان گھرے لال ارکیڈز اور جامنی پیونیز کو اس طرح سے پرویا گیا تھا کہ وہ نیون پتھروں کے ساتھ برجستہ گفتگو کرتے معلوم پڑتے تھے۔ سورج ڈوب رہا تھا، ایسے میں سٹیج کے نیچے نسب وارم ٹون لائٹس روشن ہوگئیں۔ہاتھ میں ٹیبلٹ تھامے اس نے مطمئن نظر پورے پر ڈالی۔اس کی پوری ٹیم وہاں موجود تھی۔ تبھی اس کے ساتھ ایک لڑکی آکھڑی ہوئی۔موٹے فریمز والی عینک ناک پر جمائے وہ کرن تھی۔

”سر، جیسے آپ نے کہا تھا بالکل ویسے ہی ڈیکور کیا ہے سب۔“ چمکتی آنکھوں کے ساتھ اس نے ایک نظر آرا س کو دیکھ کر کہا۔

"ویل ڈن، کرن۔" اس نے ستائشی انداز میں کہا۔

"تھینکیو سر۔" وہ بچوں کا سا اشتیاق لیے بولی۔

"گروم نہیں آیا ابھی تک؟" اس نے اسٹیج پر ایک جانب بیٹھی سجی سنوری سفید بال گاؤن میں ملبوس منتظر سی لڑکی کو دیکھ کر پوچھا۔ نین نقش مکمل مغربی تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی ایک دوست بھی موجود تھی، جو ہاتھ میں منی فین تھامے اسے ہوا دے رہی تھی۔ شاید تسلی بھی....

کرن نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں اس جانب دیکھا۔ پھر گردن پھیر کر آراس کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

"نو سر، ابھی تک تو نہیں۔" اس نے کہا۔

وہ اس سے ایک دو بات مزید کرتی پلٹ گئی۔ اس کے جاتے ہی سعد کہیں سے نمودار ہوا تھا اور سینے پر بازو باندھے عین اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ کندھوں کو چھوتے بال چھوٹی سی پونی میں قید تھے۔ ماتھے پر بل لیے اس کا رخ آراس کی جانب تھا۔

"ویل ڈن ہاں...." کچھ دیر پہلے کا اس کا فقرہ طنزیہ انداز میں دوہرایا۔ گردن گھما کر دور جاتی کرن کو گھور کر دیکھا۔ کل کی آئی جونیر کو سراہا جا رہا تھا اور وہ جو اتنے سالوں سے اس کے ساتھ تھا اس کے لیے آج تک ایک لفظ ستائش کا ادا نہ ہو سکا۔ جبکہ وہ سنی ان سنی کیے ٹیبلٹ پر انگلیاں چلاتا خاموش کھڑا رہا، جیسے وہ وہاں ہو ہی نہ۔

''کیا میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ کبھی تم میری تعریف کرو گے؟'' سدا کا شکوہ دہراتے تاسف سے اسے دیکھ کر کہا۔ اب کی بار اس نے ابرو اٹھایا، پھر جھکے سر کے ساتھ ہی بولا۔

''بالکل کر سکتے ہو! لیکن اس کے لیے تمہیں یہ دنیا چھوڑنی پڑے گی۔''

وہ جو اس کے پہلے فقرہ پر خوشی سے پھیلا تھا، اس کا پورا جملہ سنتے تلملا کر رہ گیا۔ وہ بھی کس سے امید لگا رہا تھا۔

''یہ دولہے صاحب کا کیا سین ہے؟'' ٹھہر کر پوچھا۔

''سین کچھ آف ہے۔ تھوڑی دیر پہلے کال کی تھی میں نے، لیکن محترم نے اٹھائی نہیں۔'' اس نے ایک نظر لڑکی کو دیکھ کر کہا، جس کے ساتھ سوائے ایک دوست کے گھر کا کوئی اور فرد نہیں تھا۔ غالباً ان کی لو میرج تھی۔ لڑکا مشرقی تھا اور لڑکی مغربی۔ ساری تیاریوں میں وہی پر جوش اور حاضر رہی تھی۔ لڑکے سے ان کی صرف ایک بار ہی ملاقات ہوئی، اس کے علاوہ نہ تو اس نے اپنی مرضی سے کسی خاص ارینجمنٹ کی ہدایت کی تھی اور نہ وہ موجود رہا تھا۔ پردوں کے رنگ سے لے کر پھولوں کی اقسام تک.... سب لڑکی نے ہی منتخب کیا تھا۔

''یہ مغربی لڑکیاں ان مشرقی مردوں کے کھوکھلے وعدوں پر اندھا یقین کیوں کر لیتی ہیں۔ آخری وقت میں پھر ان کا ایمان جاگ جاتا ہے اور نتیجہ یہ انتظار نکلتا ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔'' وہ یوں ہی اس اداس سی دولہن کو دیکھ کر بولا، جواب رو دینے کے قریب تھی۔

سعد کو بھی اس سے اتفاق تھا، پھر کچھ سوچ کر اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ چمکی۔

''آپ بھی تو ایک مشرقی مرد ہیں۔'' بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

''مشرقی ہوں، بے غیرت نہیں۔'' وہ کچھ جتا کر بولا تو سعد خجل سا ہو کر ہنس دیا۔

آراس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور کچھ سوچ کر قدم اس جانب بڑھائے۔

''کہاں جا رہے ہیں؟'' سعد نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

''اس کا انتظار ختم کرنے۔'' وہ مڑے بغیر بولتا آگے بڑھ گیا۔ سعد نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا، پھر ٹھہر کر ایک افسوس بھری نظر اس لڑکی پر ڈالی۔ اگر وہ ہوتا تو اتنی پیاری لڑکی کے ساتھ ایسا کبھی نہ کرتا۔ پھر یاد آیا اس کی گرل فرینڈ ہے اور وہ اس سے کتنا لائل ہے۔

آراس زرد روشنی سے دمکتے سٹیج کے قریب پہنچا تو سفید گاؤن والی لڑکی کی دوست اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے ساتھ ہونے والی میٹنگز میں وہ ہی برائیڈ کے ساتھ آتی تھی، اس لیے وہ آراس کو پہچانتی تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں سے اسے اشارہ کیا تو اثبات میں سر ہلاتی پانی کا بہانہ کرتے وہاں سے چلی گئی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کرن کو قریب بلاتے کوئی ہدایت دی اور ٹیبلٹ تھماتے واپس بھیج دیا۔

لڑکی ابھی بھی پریشان سی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اضطرابی کیفیت میں خشک پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے، بالوں کی چند لٹیں بار بار کان کے پیچھے اڑستی۔ نظریں ابھی بھی منتظر سی راستے کی جانب اٹھ جاتیں جہاں سے اس نے آنا تھا۔

وہ گہرا سانس لے کر آگے بڑھا۔ پینٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکالتے اب وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ رہا تھا۔

لڑکی نے اس کی موجودگی بھانپتے ہوئے بھی سر نہیں اٹھایا۔

وہ خاموشی سے سامنے دیکھتے رہا۔ کہا کچھ نہیں۔

"کیا وہ آئے گا؟" لڑکی کی خراش زدہ سی آواز ابھری۔ قریب تھا کہ وہ روپڑتی۔

"نہیں۔" تلخ حقیقت۔ اس نے کوئی امید نہیں بندھائی تھی۔

لڑکی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگے۔ ٹپ.... ٹپ.... ایک کے بعد ایک۔ گود میں دھرے ہاتھوں پر گرتے گئے۔

"اس نے کہا تھا وہ ضرور آئے گا۔ وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ اس نے جیکٹ کی جیب سے رومال نکالا اور اس کے سامنے کیا، جو اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے تھاما اور آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ پھر گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، جو سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اسے بلایا ہے۔ وہ آتا ہی ہو گا۔ ہماری شادی آج ہی ہو گی۔ وہ ضرور کہیں پھنس گیا ہو گا۔ اس کی کوئی مجبوری ہو گئی۔" وہ تاویلوں پہ تاویلیں دے رہی تھی۔ بظاہر آر اس کو بتا رہی تھی، مگر وہ خود کو دلاسے دے رہی تھی۔ ہمت بندھوا رہی تھی۔ آنکھوں کو مزید انتظار کا پابند بنا رہی تھی۔ جبکہ پیر سن ہو چکے تھے اور ہاتھ بے جان۔

”مرد مجبور نہیں ہوتا۔اس کے پاس آپشنز ہوتے ہیں اور وہ اپنی مرضی کے راستے چنتا ہے۔“وہ گھمبیر ٹھہری ہوئی آواز میں اسے کسی بڑے جادوگر کی طرح حکایتیں سنارہا تھا۔ہاں، کم از کم اس کے لیے تو وہ فی الحال ایک براجادوگر ہی تھا۔

اس کے آنسو باڑ توڑتے پھر سے بہہ نکلے۔

”اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔وہ مسلمان ہے اور مسلم تو اپنے وعدے نہیں توڑتے نا۔“وہ جس انداز میں کہہ رہی تھی،اب کہ آراس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔کس قدر دل برداشتہ تھی وہ۔لہجہ ٹوٹی آس لیے ہوئے تھا۔

کیا اب وہ کبھی کسی مسلم پر یقین کر پائے گی۔آج ایک مسلمان کی وجہ سے اس کے پورے دین پر حرف اٹھا تھا۔

مسلمان لفظ سنتے ہی اب اس کے سامنے جو خاکہ ابھرے گا وہ اس کا اندازہ لگا سکتا تھا۔وہ جو جھوٹ بولتے ہیں۔وعدہ خلافی کرتے ہیں۔پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔وہ اسے کیا بتاتا کہ یہ سب نشانیاں تو منافقوں کی ہیں۔وہی جن کے ظاہر اور باطن سے اللہ بخوبی واقف ہے۔

”سب کو ایک آئینے سے مت دیکھو۔یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں یوسف بھی شامل تھے۔“ اس نے کہا۔

نجانے وہ کچھ سمجھی تھی یا نہیں، مگر وہ خاموش ضرور ہو گئی تھی۔چند لحظے خاموشی کی نذر ہو گئے، پھر اس کی آواز گونجی۔

”لیکن اگر محبت بلائے تو جانا چاہیے نا؟ اگر کبھی تمہیں محبت بلائے تو کیا تم نہیں جاؤ گے؟“ وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور آراس یامین اس پل میں جم گیا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ سامنے بیٹھی لڑکی کے اس سوال کا جواب فی الحال اس کے پاس نہیں تھا۔ چند ساعتیں مزید بیتیں۔

”اب میں کیا کروں؟ کیا مجھے انتظار کرنا چاہیے؟“ زکام زدہ سانس اندر کھینچتے اس نے پوچھا۔ جواباً آس نے لڑکی کی آنکھوں میں دیکھا۔ نیلی آنکھوں کے دیے جل بجھ رہے تھے۔ لڑکی بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی، اس کی سیاہ آنکھوں کو جو کسی کو بھی خود سے باندھ لیتی تھیں۔ لحظہ بھر کو اس کے آنسو رک گئے۔ آس پاس کا شور بھی تھم سا گیا۔ محض اس کے ہلتے لب دکھائی دیے اور نرم سی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”اپنے دل سے پوچھو تم کیا چاہتی ہو۔ ایک لامحدود انتظار جو لاحاصل ہے یا ایک غلط شادی سے بچ کر آگے بڑھنا۔ نئے راستے مل جاتے ہیں، نئی منزلیں بھی بن جاتی ہیں اور اگر نہ ملیں تو اب تمہارے پاس موقع ہے کہ تم انہیں خود بنا سکتی ہو۔“

اس نے اپنے سر کو ہلتے دیکھے۔ پلکیں جھپکیں تو پلکوں پہ ٹھہرا ایک قطرہ پھسلتا ہوا کہیں جا گرا۔ اس کے پاس جواب تھا، ہمیشہ سے تھا۔ عقب میں اب عجیب شور سنائی دیتا تھا۔ ٹیم یہاں سے وہاں بھاگتی دکھائی دی۔ شام کی سرخی اب چار سو پھیلتی جا رہی تھی۔ سفید گاؤن والی لڑکی کے سامنے اب وہ آدمی نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو پھیلتی شام کی سیاہی میں وہ اسے جیبوں میں ہاتھ ڈالے صحرا کی ریت پر دور جاتا دکھائی دیا۔

اب وہ اپنی دوست سے فون مانگ کر گھر کال ملا رہی تھی۔ فون پہلی ہی رنگ پر اٹھا لیا گیا تھا۔ شاید اس کی ماں تھی۔ اب وہ رو رہی تھی، پھر وہ روتے روتے ہنس دی۔ اس کی دوست نے اب اس کے گاؤن کا فال سنبھالتے اسے کھڑا کیا۔ ان کی گاڑی آگئی تھی، اب انہیں واپس جانا تھا۔

''یہ ہم لوگوں کی شادیاں یادگار بنانے جاتے ہیں یا انہیں تڑوانے۔ کیا خیال ہے بزنس بدل نہ لیں۔ اچھا سکوپ ہے!'' سعد نجانے کہاں سے نمودار ہو آیا تھا۔ ایونٹ پلانر نہ ہو گئے، ایونٹ ڈیمولیشر ہو گئے۔

''بالکل! تم سے بہتر تجربہ کسے ہو سکتا ہے ان سب معاملوں کا۔'' مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''میرے ناکام ریلیشنز کا حوالہ دینا ضروری ہے؟'' تڑخ کر کہتے منہ پھیر لیا۔ پھر مزید دس سیکنڈ ناراضی جتانے کے بعد اسے پھر سے مخاطب کر بیٹھا۔

''اور یہ جو اتنا نقصان ہوا ہے اس کا کیا؟'' ہاتھ سے سیٹ اپ کی طرف اشارہ کیا جو اب سمیٹا جا رہا تھا۔

''کسی کی زندگی بچ گئی، یہ کافی ہے۔''

ٹیم کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے کہا۔ سعد بھی اس کے ہمقدم ہوا۔

''ہم پاکستان جا رہے ہیں۔'' آر اس نے خبر نامے کی طرح سنایا تو سعد جھٹکے سے رک گیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی رکا تھا۔ ''کیا میرے کانوں نے کچھ ایسا سن لیا ہے جو مجھے نہیں سننا چاہیے تھا۔'' صدمے کے مارے وہ آنکھیں تک نہیں جھپک رہا تھا۔

''تمہارے کانوں نے بالکل درست سنا ہے۔'' وہ عام سے انداز میں بولا۔ سعد دو قدموں کا فاصلہ عبور کرتے قریب آیا اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ جواباً اس نے ابرو اچکایا۔

''اور کیا میں جان سکتا ہوں یہ حسین حادثہ کیوں کر ہوا ہے؟'' کچھ متجسس ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میری ایک بہت خاص دوست کی شادی ہے۔''

لفظ میری پہ سعد کے کان کھڑے ہوئے۔ آر اس مزید کہہ رہا تھا۔

''وہ میرے برے وقتوں کی ساتھی رہی ہے۔ اچھے وقتوں کے دوستوں کو بھلے ہی فیور نہ دیں، لیکن برے وقتوں میں ساتھ نبھانے والے دوستوں کے لیے ہمیشہ گنجائش نکلتی ہے۔''

''کب جا رہے ہیں ہم؟''

''ایک دو دن میں۔''

''ابھی بھی بتانے کی کیا ضرورت تھی، فلائیٹ پر چڑھا کر بتاتے۔'' سعد بڑبڑاتے ہوئے مزید کچھ کہہ رہا تھا۔ آوازیں مدھم ہوتی گئیں اور ریت پر ان کے قدموں کے نشان بھی....

صبح ابھی مکمل بیدار نہیں ہوئی تھی۔ آسمان کبھی سیاہ تو کبھی سرمئی نظر آتا تھا۔ جلبانی ہاؤس کے باہر کھڑی گاڑی کے اندر بیٹھی ایدا ہارن پر سے ہاتھ ہٹانا بھول گئی تھی۔ جبکہ دوسرے ہاتھ کی انگلیاں اسٹیرنگ وہیل پر متحرک تھیں۔ ڈولمن سلیوز ٹاپ کے ساتھ اس نے بوٹ کٹ جینز پہن رکھی تھیں۔ ایش براؤن بالوں کی ٹیل بنائے اسکارف کو پونی کی صورت باندھ رکھا تھا۔ مسکارے سے سجی پلکیں اٹھا

کر اس نے ایک نظر ویو مرر پر ڈالی۔ سیاہ شیڈز بالوں میں ٹکائے، آنکھیں دروازے پر جمائیں، جسے کھول کر آئیسل باہر نکلتی دکھائی دی۔

ایدا کے برعکس اس نے بٹر یئلو سادہ قمیض کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہن رکھا تھا، جس پر سن فلاور بنے تھے۔ پاؤں میں سفید بیلیٹ جوتے اور ہم رنگ دوپٹہ کندھے پر ایک طرف گرا رکھا تھا۔ کر اس باڈی بیگ میں کچھ ڈالتی وہ عجلت میں گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی۔

ایک ملامتی نگاہ ساتھ والی پر ڈالی۔

''یہ شریفوں کا محلہ ہے۔ یہاں یہ غنڈا گردی نہیں چلے گی۔'' اس کا اشارہ مسلسل بجتے ہارن کی طرف تھا۔ جواباً اس نے شیڈز آنکھوں پر جماتے ایک نظر اسے دیکھا۔

''سیٹ بیلٹ پلیز!'' انگلی سے اشارہ کرتے وہ گاڑی زن سے آگے بڑھا چکی تھی۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' آئیسل نے ابرو اچکا کر پوچھا، جو نظریں سڑک پر جمائے ہوئے تھی۔

''اٹس عین ایمرجنسی!۔'' مختصر سا کہہ کر سامنے دیکھنے لگی تو آئیسل نے آنکھیں گھمائیں۔

''اور یقیناً اس ایمرجنسی کا نام آوارہ گردی ہے۔'' گھور کر اسے دیکھا، جس نے جواباً محض کندھے اچکا دیے۔

''کم از کم مجھے اطلاع تو کر دیتی۔''

”تاکہ تم کینسل کر سکو۔“ گردن سیدھی رکھے ہی جواب دیا۔عام دنوں سے ہٹ کر مہینے میں ایک دن انہوں نے خود کے لیے مختص کرر کھا تھا۔جس میں پچھلی بار آئیسل نے خیانت کی تھی کیونکہ اسے سہیل کے ساتھ وینیو دیکھنے جانا تھا۔

”میں کیوں کرنے لگی کینسل۔“ وہ انجان بنی۔جبکہ چشمے کے باعث ایدا کی گھورتی نظروں کے وار سے محفوظ رہی۔

”چاہے تمہاری شادی ہو جائے یا تمہارے بچے ہوں اور آخر میں تم بوڑھی بھی ہو جاؤ تب بھی ہمارا یہ ایک دن ہمارا ہی رہے گا۔کسی کو حق نہیں کہ اسے ہم سے چرائے اور اپنا حق تو میں کسی کو چھیننے بھی نہیں دوں گی۔“

وہ ٹھہر کر اسے تنبیہ کرتے بولی تو وہ سر جھٹکتی مسکرادی۔اور زندگی میں ایک ایدا تو ہونی چاہیے، جو آپ کو یاد دلائے کہ آپ پر سب سے زیادہ حق آپ کا ہے اور وہ خوش قسمت تھی کیونکہ اس کے پاس ایک ایدا تھی۔

”اور وہ جو تم سر عام لوگوں کو لوٹنے کی دھمکیاں دیتی پھرتی ہو اس کا کیا؟“ وہ مسکراہٹ دبائے بولی۔

ایدا نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔پھر نا سمجھی سے ابرو اٹھایا۔

”کون؟“ اسے وقتاً یاد نہ آیا۔اسٹیئرنگ وہیل کو ایک ہاتھ سے گھما کر موڑ کاٹتے اس سے اشارے سے اپنے سوال کا جواب مانگا۔

”میرے ایک عدد معصوم شریف بھائی کو اور کسے۔“

اور اب کے وہ مسکرائی۔ ہونٹوں کے کنارے محظوظ انداز میں اوپر اٹھے۔

"او، پروفیسر صاحب۔ معصوم تو کہیں سے نہیں ہے وہ، ہاں البتہ، شریف کہہ سکتے ہیں۔ اور اسے چھیڑنا تو میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔" شان بے نیازی لیے کندھے اچکا کر بتایا۔ آئیسل نے افسوس سے اپنی ٹھرکی دوست کو دیکھا، جسے رتی برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

"شرم کرو لڑکی! اپنا یہ ٹھرک کہیں اور جھاڑو۔" اس نے مصنوعی ڈپٹ کر کہا تو وہ ہنس دی، پھر اسے دیکھ کر بولی۔

"شرم کیسی، تم سے ہی تو سیکھا ہے یہ سب۔"

اب کے آئیسل نے صدمے سے اسے تکا۔ ساتھ سینے پر انگلی رکھتے تصدیق چاہی، یعنی واقعی وہ.... جس پر ایدا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نے کسے چھیڑ دیا۔" وہ تعجب سے بولی اور اپنا سارا ریکارڈ کھنگالنا شروع کیا، جس میں ایدا کی آواز نے خلل ڈالا۔

"بھول گئی کوچنگ کلاسز میں جس لڑکے پر کرش تھا تمہیں۔" اب کے اس نے حوالہ دے کر کہا تو اس کے چودہ طبق روشن ہوا، پھر بے اختیار نفی میں سر ہلا کر اسے دیکھا۔

"لیکن میں نے اس سے کبھی کہا نہیں اور ویسے بھی وہ تمہیں پسند کرتا تھا۔" اسے اب سب یاد آگیا تھا۔

"جسے تم نے میرے لیے چھوڑ دیا کیونکہ تمہیں لگا کہ میں بھی اس میں انٹرسٹڈ ہوں۔"

''ہاں! اور جس کے ناک پہ تم نے مکا مار کر خون نکال دیا تھا۔'' اسے یاد کر کے افسوس ہوا۔ بیچارہ پوری شفید شرٹ سرخ ہو گئی تھی۔

''اس کے بعد وہ اپنا پھوٹا ناک لے کر کبھی واپس نہیں آیا۔'' وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہنس دیں۔

آئیسل نے بے اختیار سرد آہ خارج کرتے کھڑکی سے سر ٹکا دیا۔ وہ دن کتنے اچھے تھے نا۔ کاش! کہ وقت وہیں کہیں تھم جاتا، مگر وقت بھی کبھی رکا ہے بھلا....

صبح صادق کی پہلی کرن کے ساتھ وہ دارا جنگلان کی ہائکنگ ٹریل نمبر۔5 پر موجود تھیں۔ ٹھنڈی معطر ہوا اور گہری خاموشی کے سنگ پہاڑوں کا دل افروز منظر طبیعت پر مسرور کن اثر ڈالتا تھا۔ پھولی سانس لیے اس نے کمر پر ہاتھ رکھے تازہ ہوا ناک کے ذریعے اندر کھینچی، جو آرمید گی بن کر اتری۔

اتنی چڑھائی کے بعد یہ نظارہ قابلِ مول تھا۔ یہ ان کے پسندیدہ اسپاٹس میں سے ایک تھا۔ بچپن میں وہ اکثر یہاں آیا کرتے تھے۔ وہ، ایدا اور....

''کیسی لگی ایمر جنسی؟'' ایدا کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔ وہ اس کے گلے میں بازو ڈالے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آئیسل نے بھی سامنے دیکھا، پھر مسکرائی۔

''ہمیشہ کی طرح سحر انگیز!''

اب وہ دونوں بینچ پر جا بیٹھی تھیں۔ آئیسل کی نظر ایدا کے جوتوں پر پڑی جہاں آج ہیلز کی جگہ سفید اسنیکرز تھے، جو مٹی لگنے پر ہلکے مٹیالے ہو گئے تھے۔ یعنی وہ شروع سے ہی پلان بنا کر آئی تھی۔ ہر بار کی طرح دو قدم آگے۔

”تھینکیو!“ وہ کہہ کر اس کے کندھے سے سر ٹکا گئی اور آنکھیں سامنے کے منظر پر جما دیں۔ خوبصورت پہاڑ.... اسے یکدم ہی تشکر کا احساس ہوا کہ وہ انہیں روز دیکھ سکتی تھی۔ اس پل میں وہ اپنی الجھنوں کو فراموش کر گئی۔

”فاریو۔“ وہ اس کا سر تھپتھپا کر بولی۔ یوں بھی وہ اس سے عمر میں بڑی تھی۔

”تمہیں پتا ہے ایدا مجھے کیا چیز ڈراتی ہے؟“ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ ایدا نے کچھ نہیں کہا، وہ بس خاموشی سے اسے سنے گئی۔

”کہیں میں نے اپنے لیے غلط انتخاب تو نہیں کر لیا، ایدا؟“ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری تو کچا سا ذائقہ منہ میں گھل گیا۔

”کیا سننا چاہتی ہو؟“ وہ سنجیدہ سا پوچھ رہی تھی۔ آئیسل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”سچ!“ وہ کچھ سوچ کر بولی۔

”کیا تم موو آن کر چکی ہو؟“ ایک سوال تھا اور ایک ہی جواب، مگر اس نے لاعلمی چنی۔

”کس سے؟“ اس نے نظریں چرائی تھیں۔ مگر ایدا کے تاثرات یکساں رہے۔ اب وہ لاکھ نظریں چراتی وہ ٹلنے والی نہیں تھی۔ اسے سچ سننا تھا تو وہ اسے سچ سنائے گئی۔

”وہی جس کی محبت میں تم اٹھارہ سال کی عمر سے گرفتار ہو۔ کیا اس سے موو آن کر چکی ہو تم؟“

اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ یکدم ہی منظر کی خوبصورتی پھیکی پڑ گئی تھی۔ آنکھ کے کنارے دو موتی آٹھہرے، جنہیں اس نے بہنے کی اجازت نہ دی اور انگلی کے پوروں سے پونچھ ڈالا۔

"وہ کہاں سے آگیا درمیان میں؟" دل کی طرح آواز نے بھی دغا دیا۔

"وہی تو ہے شروع سے لے کر آخر تک۔ وہ کہیں گیا ہی تو نہیں۔" وہ حقیقت پسند ہوئی۔ ایسی حقیقت جس سے آئیسل جیسے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ مگر، وہ پیچھا نہیں چھوڑتی، سانس ساکن ہونے کے بعد تک بھی ساتھ رہتی ہے۔

"لیکن وہ نہیں ہے۔" اس نے اتنی ہلکی آواز میں کہا کہ شاید ہی ایدا نے سنا ہو۔ ایک تتلی نجانے کہاں سے اڑتی ہوئی آئی اور اس کے پائینچے سے اوپر بنے سن فلاور پر آ بیٹھی۔ وہ سر جھکائے اس تتلی کو دیکھے گئی۔ یوں ہی جلال الدین رومی کی ایک رباعی یاد آ گئی۔

"انار کے پھول میں روشنی ہے، مے ہے اور محبوب ہے

تم نہ آؤ، تو یہ سب بے معنی ہیں

تم آجاؤ، تو یہ سب بے معنی ہیں!"

"کیا اس کی ضد میں شادی نہیں کر رہی ہو تم؟" ایدا کی ترش آواز کانوں میں گونجی تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔ تتلی اب مایوس ہو کر اڑ گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ ابا نے یہ رشتہ پہلے سے طے کر دیا تھا۔"

"تمہارے باپ نے اپنے بہنوئی سے مفاد کے تحت یہ رشتہ جوڑا تھا۔ تم ان کے لیے محض باہر جانے کا ٹکٹ تھی لیکن کوئی زبردستی نہیں تھی۔ تم نے خود منظوری دی تھی اس رشتے پر۔"

اب کے آنسوؤں پر وہ مزید پل نہ باندھ سکی اور وہ بہہ نکلے۔ ایدا کو تکلیف ہوئی مگر اس نے ڈھارس نہیں بندھوائی۔ وہ اپنی دوست کو اندھے کنویں میں چھلانگ لگاتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

''اس نے مجھ سے کوئی عہد و پیمان نہیں باندھے تھے۔'' تاویل کمزور تھی مگر دل کو کھوکھلے دلاسے کی ضرورت تھی۔

''تم نے بھی تو اسے روکا نہیں۔'' صبح کا سورج اب پوری طرح سے طلوع ہو چکا تھا۔ روشنی پورے پر غالب آ گئی۔

''روکنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں تھی۔'' ایک اور حیلہ۔

''کیا یہ 'وجہ' کافی نہیں تھی؟'' اس نے وجہ پر زور دیا۔ وہ آنسو صاف کرتے سیدھی ہوئی۔ رونے کے باعث ناک ہلکی سرخ اور گال گلابی پڑ گئے تھے۔ گہرا سانس لیتے اس نے خود کو کمپوز کیا۔

''بہت سال گزر چکے ہیں۔ اب اس سے فرق نہیں پڑتا۔'' پل بھر کے لیے جو دیرینہ جذبات کی موم جلی تھی وہ اسے بجھا چکی تھی۔ وہ پھر سے اپنے خول میں جا سمٹی جس میں وقت کے ساتھ مضبوطی کی بجائے مزید دراڑیں پڑ گئی تھیں۔

''اور اگر وہ واپس آ گیا پھر؟'' ایدا نے یوں ہی پوچھ ڈالا۔

''اسے نہیں آنا چاہیے۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں گاڑی میں جا کر بیٹھ رہی ہوں، جلدی آ جانا۔'' اسے ہدایت کرتی وہ واپسی کے راستے چل دی۔ ایدا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور سر جھٹک کر رہ گئی۔ وہ اس سے زیادہ اسے نہیں سمجھا سکتی تھی۔ بہتر ہوتا وہ اس نمونے سہیل کو ہی اٹھوا لے۔ آئیڈیا برا نہیں تھا ویسے۔

اگلی صبح اس کی پاکستان کی فلائیٹ تھی۔ وہ اپنی اپنی پیکنگ کر چکے تھے۔ کاؤنٹر ٹاپ کے قریب جھکا وہ ایک چھوٹے سے بیگ میں کچھ چیزیں ڈال رہا تھا۔ سعد اس وقت اپارٹمنٹ میں موجود نہیں تھا۔ پاس پڑے اس کے موبائل پر ایک میسج موصول ہوا۔ نام واضح نہ تھا۔
''ہیو آ سیف فلائیٹ۔'' سکرین پر لکھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے پڑھ کر جوابی میسج ٹائپ کیے بغیر فون بند کر دیا۔ سکرین سیاہ ہو گئی۔ ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے ایک شیشی برآمد کی اور انگلی اور انگوٹھے کے درمیان تھام کر اسے اونچا کیا۔ گلاس کی سفید شیشی کے اندرونی دیواروں کے ساتھ زرد محلول کے چند قطرے پھسل رہے تھے۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ ذہن میں تیزی سے کچھ گردش کر رہا تھا۔ وقت میں کچھ گھنٹے پیچھے چلتے ہیں۔ یہ ویگاس اسٹرپ کا منظر تھا جو چار میل لمبی ایک سڑک ہے جو بڑے بڑے ریسٹورنٹس، کیسینوز اور مختلف وینیوز کا گھر ہے۔ یہاں زندگی کبھی نہیں رکتی اور چہل پہل کبھی نہیں تھمتی۔ رات میں بھی دن کا سماں ہوتا ہے۔

اس نے سر پر سیاہ ہڈ گرا رکھا تھا اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مخصوص راستوں پر مڑتا جا رہا تھا۔ اس کے عقب میں ویگاس سفیئر حیران کن تاثرات سجائے اسے گلیوں میں مڑتا دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً وہ رک گیا۔ سر اٹھا کر مطلوبہ جگہ کو دیکھا۔ وہ ایک کیسینو تھا۔ اس نے یہاں وہاں گردن گھمائی اور پھر کچھ سوچ کر قدم اندر کی جانب بڑھائے۔ اندر ایک الگ دنیا آباد تھی۔ مختلف آوازیں، قہقہے اور مشروبات کی ٹرے اٹھائے یہاں وہاں گزرتے بیرے۔ مختلف کونوں میں طرح طرح سے جوا کھیلا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھتا گیا۔ اس کا رخ بار کاؤنٹر کی جانب تھا۔

قریب پہنچ کر اس نے ایک کرسی گھسیٹی اور اس پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ باہم ملا کر کاؤنٹر پر دھرے۔ بارٹینڈر اسے دیکھتے ہی فور اًڈرنک کے لیے متوجہ ہوا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ بارٹینڈر نے اس کچھ حیرت سے تکا پھر کندھے اچکاتا دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ بیٹھا شخص ہاتھ میں مشروب کا گلاس تھامے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے ساتھ رکھے بیگ سے ایک شیشی برآمد کی اور اسے اپنے اور اس کے درمیان کاؤنٹر پر دھرا۔

"کچھ پتا چلا؟" آر اس نے ایک نظر شیشی کو دیکھ کر پوچھا۔ مقابل نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مایوس سا سر جھکا گیا۔

"زہر کی مقدار بہت ہی کم تھی، پتا لگانا مشکل تھا لیکن میں نے پھر بھی کوشش کی۔ مگر اس زہر کے بارے میں مجھے کوئی انفارمیشن نہیں ملی۔ اس کا سورس، اس کے اثرات۔ کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔" اس کے ساتھ بیٹھا شخص اب کہ اسے حکایات سے آگاہ کر رہا تھا۔

”میں نے آج سے پہلا ایسا زہر کہیں نہیں دیکھا۔اگر تم مجھے مزید معلومات دے سکو تو....“

آراس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تو وہ اپنی بات بیچ میں ہی چھوڑ گیا۔

”تمہاری مرضی لیکن اگر پوسٹ مارٹم رپورٹ اور کچھ دوسرے ثبوت مل جائیں تو ضرور کوئی سراغ نکل آئے گا۔“

وہ خاموشی سے اس کی ایک ایک بات سنتا گیا۔

”میرا مشورہ ہے تمہیں اس جگہ واپس جانا چاہیے۔تمہارے سارے سوالوں کے جواب وہیں ملیں گے۔“

وہ خالص لہجے میں اسے نصیحت کر رہا تھا۔جواباً آراس نے شیشی اٹھا کر جیب میں ڈالی اور جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

”تمہاری مدد کے لیے شکریہ۔میں اپنے جواب خود ڈھونڈ لوں گا۔“

کہہ کر وہ مڑ گیا۔مشروب تھامے شخص دور تک اس کی پشت کو دیکھتا رہا، حتیٰ کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔اسے یقین تھا وہ ضرور جائے گا۔اس کا تجسس اسے واپس لے جائے گا۔

اپارٹمنٹ کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک کر مڑا۔شیشی جیب میں ڈالے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔چند سیکنڈز کے بعد دیلیز پر جسگن کور کھڑی نظر آئیں۔ان کے ایک ہاتھ میں ہتھوڑی تھی اور دوسری میں چھڑی کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔ان کا سانس چڑھا ہوا تھا۔آراس کو دیکھ کر آنکھیں چھوٹی کیے ہتھوڑی اس کی جانب بڑھائی۔وہ ناسمجھی سے ایک نظر اسے دیکھتے تھام گیا۔

"برخوردار، ذرا دیوار میں یہ کیل ٹھونک کردو۔" ساتھ ہی مٹھی میں قید ننھا سا کیل اس کی جانب بڑھایا۔ جو اس نے کسی پس و پیش کے بغیر ان کی گرفت سے لے لیا۔ پھر اپنے پیچھے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کرتے ان کے اپارٹمنٹ کی جانب قدم بڑھائے۔

کچھ دیر بعد وہ دیوار پر کیل ٹھونکتا نظر آیا۔ اس کے پیچھے جسگن ہاتھ میں ایک تصویر لیے کھڑی تھی جسے انہوں نے سینے سے لگا رکھا تھا۔ آر اس کے قدموں کے قریب ایک اسٹول پڑا تھا جبکہ وہ بغیر کسی دقت کے کیل ٹھونک رہا تھا۔ یقیناً کچھ دیر پہلے وہ اسی اسٹول پر چڑھ کے کیل لگانے کی کوشش کرتے ناکام ہوئی تھیں جبھی اسے بلا لائیں۔ کیل لگا کر وہ پیچھے ہٹا تو انہوں نے تصویر اس کی جانب بڑھائی۔

"اسے یہاں لگا دو۔"

وہ تصویر لگا کر پیچھے ہوا اور ایک نظر اس پر ڈالی۔ تصویر میں ان کے ساتھ ایک مرد تھا جو یقیناً ان کا شوہر تھا۔ ان دونوں کے علاوہ فریم میں ایک تیسرا چہرہ بھی تھا، لگ بھگ اسی کی عمر کا نوجوان ان دونوں کے کندھوں پر ہاتھ جمائے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ شکل جسگن سے ملتی جلتی تھی۔ آر اس نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کا بیٹا بھی ہے؟" اسے جیسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"ہے نہیں، تھا۔" انہوں نے لفظ تھا پر زور دیا تو آر اس کے تاثرات فوراً بدلے۔

"دو سال پہلے کار ایکسیڈنٹ میں اس کی موت ہو گئی تھی۔" بظاہر وہ عام سے انداز میں بتا رہیں تھی لیکن اندر کہیں آر اس جانتا تھا کہ وہ کس اذیت سے دوچار ہوئی ہوں گی۔

”تم جا رہے ہو؟“ انہوں نے فضا کو ہلکا کرنے کی خاطر سوال بدل ڈالا۔

”جی، میں اپنے وطن واپس جا رہا ہوں۔“ اس نے شائستگی سے اطلاع کی۔

جسٹن نے غور سے اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔

”اس پھولوں والی لڑکی سے ملنے۔“ ان کے غیر متوقع سوال پر وہ ٹھٹکا۔ چہرے پر ناسمجھی کے تاثرات مرتب ہوئے۔

”جی؟“ اس نے کچھ گڑبڑا کر پوچھا۔

”وہی جس کی تصویر تم والٹ میں چھپا کر رکھتے ہو۔“

یعنی اس دن انہوں نے اسے تصویر ڈالتے دیکھ لیا تھا۔ وہ سر جھکائے مسکرا دیا۔

”اگر میں ناں کہوں تو وہ جھوٹ ہو گا۔“ وہ کچھ سوچ کر بولا تو انہوں نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

”واپس کب آؤ گے؟“ ان کا انداز ایسا تھا جیسے کہ وہ اس کا انتظار کریں گی۔

”اگر میں واپس آیا تو کیا آپ مجھے رہنے کے لیے اپنا اپارٹمنٹ دیں گی؟“ متبسم لہجے میں دریافت کیا۔

”اگر اصلی پارٹنر کے ساتھ آؤ گے تو ضرور۔“ وہ کچھ جتا کر بولیں۔

اب کہ وہ ہنس دیا۔ ان کا اشارہ وہ سمجھ گیا تھا۔ سر جھکائے ہنستا وہ بہت اچھا لگا۔

”میں جانتا تھا آپ کے اعصاب مضبوط ہیں۔“

”جس نے جوان اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا ہو اسے پھر کوئی زہر یا جادو نہیں مار سکتا۔“

لہجے میں پھر سے اداسی گھل گئی۔ آر اس نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"لیکن ایک پل کو میں تمہارے سحر میں قید ضرور ہوئی تھی مگر، میں اس لیے راضی ہوئی کیونکہ....

"کیونکہ آپ کو پیسوں کی ضرورت تھی۔" وہ ان کا جملہ مکمل کرتے بولا۔

"اسی لیے تم نے پہلے ہی چیک نکال کر مجھے پابند کر دیا تھا۔" وہ اول روز سے اس کی سازش سے واقف تھیں۔ وہ کچھ محظوظ ہوا۔

"آپ میری زندگی میں آنے والی تیسری عورت ہیں جن پر میرا سحر کام نہیں کرتا۔" وہ کچھ افسوس سے بولا البتہ ندامت کہیں نہیں تھی۔ وہ جیسے اپنے کیے پر ہرگز بھی شرمندہ نہیں تھا۔ انہیں پیسوں کی ضرورت تھی اور انہیں رہنے کے لیے ٹھکانہ چاہیے تھا۔

باقی دو عورتوں کی نوعیت جاننے کی کوشش جسگن نے نہیں کی نہ ہی اس نے بتایا۔

"اپنی اس مردانہ پارٹنر کو بھی ساتھ لے جا رہے ہو۔"

"جی! وہ بھی ساتھ ہی جا رہا ہے۔ ویسے اس کا نام سعد ہے۔"

جسگن نے ناک سے مکھی اڑائی جیسے انہیں فرق نہ پڑتا ہو بھلے سے وہ سعد ہو یا سعدیہ۔

"میں چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔" اس نے الوداعی کلمات ادا کیے اور قدم بیرونی دروازے کی جانب بڑھائے۔

"تمہارے لیے جگہ ہمیشہ خالی رہے گی۔" انہوں نے پیچھے سے ہانک لگائی تو وہ مسکراتے ہوئے پلٹا۔

سینے پر ہاتھ رکھتے ذرا سا جھک کر شکریہ کہا اور پھر انہیں قدموں پر مڑتے رخصت ہو گیا۔

کچھ لوگ ہماری زندگی میں بہت کم عرصے کے لیے آتے ہیں لیکن تاعمر یادوں میں ٹھہر جاتے ہیں۔

وہ فلاور شاپ سے واپس لوٹی تھی جب اسے پورچ میں گاڑی کھڑی دکھائی دی۔ ہاتھ میں چھوٹا سا گملا پکڑے جس سے لیونڈر کا جامنی پھول جھلک رہا تھا اس کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ ایک نظر میں پہچان گئی تھی کہ کون آیا ہو گا۔ گہرا سانس بھر کر اس نے قدم اندر کی جانب بڑھائے۔

لاؤنج کے صوفوں میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا۔ آئیسل کی جانب اس کی پشت تھی مگر وہ اسے پہچان گئی تھی۔ سہیل راسم کو.... اس کے ساتھ ہی سفید چکن کاری والے لباس میں ملبوس پھوپھو شہناز براجمان تھیں۔ پھر اس کی نظر سامنے اٹھی جہاں ماں کی ایک جانب خنساء بیٹھی تھی اور دوسری طرف صوفے کے ہتھے پر ٹکی بانو، چمکتی آنکھوں سے میز پر پھیلے ملبوسات کو دیکھ رہی تھی۔ یکہ یک اس کی نظر آئیسل پر پڑی تو وہ اس کے اشارے پر اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

آئیسل نے ابرو اچکا کر موجودہ منظر کی بابت استفسار تو بانو چہک کر آگے ہوئی۔

"آپ کی شادی کا جوڑا آیا ہے۔"

بانو کے بتانے پر اس نے گردن پھیر کر دیکھا۔ کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا فلحال۔ پھر اس نے سینے سے لگا پودا بانو کو تھمایا اور خود آگے بڑھ آئی۔

دفعتاً اس کی نظر درمیان میں رکھی شیشے کی میز پر پڑی تو اسے کے قدم منجمد ہوئے۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔میز کے وسط میں اس عروسی جوڑا پھیلا تھا۔ماں اور پھوپھو اس پر تبصرہ کر رہی تھیں۔وہ گم سم سی وہیں کھڑی رہی جب خنساء کی آواز نے چونکنے پر مجبور کیا۔وہ غالباً اسے دیکھ چکی تھی۔

''آئیسل، تم کب آئی؟ دیکھو ہم تمہارا شادی کا جوڑا لائے ہیں۔امی اور میں نے خود پسند کیا ہے۔''وہ قدرے پر جوش ہو کر بتا رہی تھی۔ تبھی سہیل نے بھی گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ایک پل کو نظر ٹکرائی، وہ مسکرا رہا تھا جیسے سب پہلے جیسا ہو، کم از کم اس کے مطابق تو تھا۔جواباً وہ رخ پھیر گئی۔

''یہاں آؤ آئیسل !''شہناز پھوپھو نے ٹھہر کر پکارا تو وہ خود ساختہ سر ہلاتی آگے بڑھی اور ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ میٹھی سی مسکان سجائے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''تمہیں جوڑا پسند آیا؟''وہ جیسے پوچھ نہیں رہی تھیں بلکہ اس کی ہامی چاہتی تھیں۔اس نے کٹ پتلی کی مانند سر ہلا دیا۔

''میں بہت خوش ہوں، آپا، میری بچی کا گھر بسنے والا ہے۔''ایک ماں ہونے کی حیثیت سے ان کے کندھوں سے ایک ذمہ داری کا بوجھ ہٹ گیا تھا۔وہ مطمئن تھیں۔

''تم بے فکر رہو، طروبہ۔ہماری اپنی بچی ہے۔اور پھر سہیل اور یہ ایک دوسرے کو بچپن سے جانتے ہیں۔ایک ساتھ پلے بڑھے ہیں۔''

آئیسل کو پھوپھو کا الفاظ کسی گہری کھائی سے آتے معلوم پڑے۔کیا وہ سہیل کو اچھے سے جانتی تھی؟ شاید نہیں؟

"کاش! آج گل بھی ہمارے درمیان ہوتی۔" طروبہ نے یکدم یا سیت لیے کہا تو آئیسل کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ اس نے بے اختیار سر جھکا دیا۔ ابھی کوئی سرگوشی نہیں تھی۔

جبکہ دوسری طرف سب خاموش ہو گئے گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر پھوپھو کا ہنکارا ابھرا۔

"اس پاگل جادوگرنی کا تو نام ہی مت لو۔ ہمارے یامین کو بھی جادو سے پھنسایا تھا اس نے۔" منہ کے زاویے بگاڑتے بولیں تو طروبہ نے احتجاجاً کچھ کہنا چاہا پھر نا جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئیں۔

یکدم ماحول کی فضا میں گھٹن سی محسوس ہوئی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اسے سانس نہیں آرہا تھا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

تبھی اسے کسی نے پکارا۔ اس نے قوت سماعت پر زور دیتے ہوئے سنا۔ وہ سہیل تھا جو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس سے مخاطب تھا۔

"بات ہو سکتی ہے؟" وہ سوال گو تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ فلحال اسے کھلی ہوا کی ضرورت تھی۔

"میں سب کے لیے چائے لاتی ہوں۔" خنساء کہتے ہوئے اٹھ کر کچن میں آ گئی جہاں بانو پہلے سے موجود تھی۔

"یہ میں کر لیتی ہوں، بانو۔ تم باہر چیزیں سمیٹ لو۔" بانو کان سے ہینڈ فری اتار کر آنچ دھیمی کرتے پیچھے ہٹ گئی۔ پھر ایک کٹیلی نظر اس پر ڈالتے باہر نکلی۔ چائے ساری اس نے بنائی تھی اور آخر میں خنساء میڈم اس میں چمچ ہلا کر کریڈٹ اپنے نام کرنے آ گئی تھی۔ مظلوم بانو!

باہر سبز ازار پر رکھی سفید کرسیوں پر وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ آئیسل اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ گلہ کھنکھار کر متوجہ ہوا۔

''تم ابھی تک ناراض ہو؟'' لہجہ فکریہ بنایا گیا۔

''نہیں۔'' وہ یوں ہی رخ پھیرے بولی۔

''پھر میرے میسجز کا جواب کیوں نہیں دیا؟'' وہ واقعتاً جاننا چاہتا تھا۔ آئیسل نے نگاہیں پھیر کر اسے دیکھا جو پُرسکون سا کہہ رہا تھا۔ وہ کتنی آسانی سے حال میں آ کھڑا ہوا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور وہ ابھی بھی ماضی میں ہی گم تھی، جہاں بہت کچھ ادھورا رہ گیا تھا۔

''میں مصروف تھی۔'' اس نے بہت سا پانی حلق سے نیچے اتار کر کہا۔

''اگر تم ابھی بھی اس بات کو لے کر پریشان ہو تو ایم سوری۔ میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں بہت خوش تھا اس لیے جب تم نے وہ بات کی تو مجھے غصہ آگیا۔ مجھے لگا کہیں میں پھر سے ریجیکٹ نہ ہو جاؤں۔'' وہی نرم لہجہ۔ وہی شگفتہ گری۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کیا تھا یہ انسان....

''ایسا کیا غلط کہا تھا میں نے جو تمہیں غصہ آگیا۔'' اب کے وہ سراپا سوال بنی۔

''وہی ساتھ چلنے والی بات۔ ابھی تو میں خود بھی نہیں گیا ہوں پھر سٹیل ہونے میں وقت لگتا ہے، ایسے میں تمہیں ساتھ لے جانا....'' اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں تمہارے خوابوں کی راہ میں رکاوٹ ہوں؟'' وہ صدمے سے بولی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" نرمی سے کہہ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے سرعت سے پیچھے کھینچتے ہاتھ جھولی میں گرا دیے۔ وہ اداسی سے اس کا سرد رویہ دیکھ کر رہ گیا۔

"اگر ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے تو شادی کیوں کر رہے ہو پھر؟ کمٹمنٹ نہیں نبھانی تو ختم کر دو یہ رشتہ۔" کہتے ہوئے وہ بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا۔

"ایک دفعہ میری بات سن لو، آئیسل۔ بیٹھ جاؤ... پلیز!" آخر میں پلیز کا اضافہ کیا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

"ایسا نہیں ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا یا میں کمٹمنٹ سے بھاگتا ہوں۔ مجھے بس تھوڑا وقت چاہیے شادی کے بعد سیٹل ہونے کے لیے۔ اس کے بعد میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ تب تک تم ممی کے ساتھ رہنا۔" رسان سے کہتے اس کی طرف دیکھا جو ویسے ہی خاموش بیٹھی تھی۔

"تم جانتی ہو نہ یہ رشتہ تمہارے اور میرے باپ کی مرضی سے طے ہوا ہے۔ یہ میرے باپ کی آخری خواہش تھی، میں اس کا احترام کرتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں آگے سے ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" لہجے کو مزید نرم اور گلوگیر بناتے عہد کیا۔ آئیسل کے کندھے بے اختیار ڈھیلے پڑے۔ پھر اس نے ٹھہر کر اسے دیکھا جو رنجیدہ نظر آتا تھا۔

"مجھے تمہاری ماں کے ساتھ رہنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں تمہارا انتظار بھی کر سکتی ہوں۔ اگر یہ سب تم مجھے آرام سے کہتے تو میں سمجھ جاتی لیکن تم نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی۔ اور بجائے اپنی غلطی

ماننے کے مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرایا اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے جتا کر کہا۔

"میں خاموش ضرور ہوں مگر کمزور نہیں۔ اپنی جنگیں میں خود لڑ سکتی ہوں۔" ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

"اور تمہاری یہی بات تو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔" اب کے وہ مسکرایا۔ "آئی ایم رئیلی سوری جو بھی بدتمیزی کی میں نے۔ ایک آخری موقع دے دو مجھے۔ ایک ہفتے بعد ہماری شادی ہے، میں نہیں چاہتا کہ مزید کوئی بدگمانی باقی رہے۔"

"بدگمانیاں تم نے پھیلائی تھیں۔"

"معافی بھی تو مانگ رہا ہوں نا۔" وہ مزید نادم ہوا تو وہ گہرا سانس بھرتے اثبات میں سر ہلا گئی۔ گویا اسے معاف کیا ہو۔

"شادی کا جوڑا پسند آیا تمہیں؟" موضوع بدلتے وہ پوچھ رہا تھا جواباً وہ بھی مسکرا کر کچھ کہہ رہی تھی۔ آوازیں مدھم پڑتی سنائی دیں۔

دھپ دھپ کی آواز کے ساتھ فون میں گم زارم سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا۔ مہمانوں سے وہ پہلے ہی مل چکا تھا اور تب سے کچھ کام کے سلسلے میں اپنے کمرے میں ہی بند تھا۔ لاونج خالی تھا۔ شہناز پھوپھو طروبہ بیگم کے کمرے میں موجود تھیں۔ کچن میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹکا۔ کسی کی موجودگی کے احساس میں

گردن اٹھا کر دیکھا تو سامنے ہی شیلف کے ساتھ ٹکی، فون کان سے لگائے کھڑی خنساء دکھائی دی۔ اس کے قدم تھمے۔ وہ اس کی اچانک آمد پر گھبرائی پھر اسے دیکھ کر خفیف سا مسکراتی فوراً گال کاٹ گئی۔

"سوری میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔" وہ اس کے یوں گھبرانے پر ٹھٹکا پھر معذرت کرتا فریج کی جانب بڑھا۔ دروازہ کھول کر پانی کی بوتل باہر نکالی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں بس اپنی دوست سے بات کر رہی تھی۔" اس نے وضاحت دی۔ وہ اب گلاس میں پانی ڈال رہا تھا۔

"یو کین کنٹینیو!" سرسری سا کہہ کر وہ بوتل واپس رکھتا مڑا اور اپنا گلاس اٹھالیا۔ وہ ویسے ہی جمی رہی۔

"آپ کو کچھ اور چاہیے؟" اسے دیکھتے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔ کچھ چاہیے ہوا تو میں خود لے لوں گا۔ تم تکلف مت کرو۔" وہ طول تکلم میں پڑے بغیر کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔ پیچھے خنساء نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھتے گہرا سانس بھرا اور مسکرائی۔

وہ ابھی سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا جب اسے اپنی پشت پر ہیل کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ گردن پھیرنے سے قبل ہی وہ جانتا تھا کہ کون آیا ہے۔ وہ وہیں ٹک گیا اور مڑ کر دروازے کی سمت دیکھا جہاں سیدھ میں چلتی ہوئی وہ آرہی تھی۔ ایدا کاظم....

وہ اس کے عین سامنے آکر رکی۔ پھر چشمہ اتار کر اسے دیکھا۔

"کیا حال ہیں، پروفیسر؟" یوں پوچھا جیسے بچپن کے دوست ہوں۔ زارم نے بے اختیار آنکھیں گھمائیں۔ پھر ٹھہر کر بولا۔

"ابھی تک تو ٹھیک ہے۔کچھ دیر بعد کی گارنٹی نہیں۔"

جواباً وہ مسکرادی۔

"آئیسل کہاں ہے؟" خلاف توقع کسی بھی بحث میں پڑے بغیر وہ مدعے پر آئی۔وہ اسے جواب دیتا اس سے قبل ہی اس کا فون بج اٹھا۔اس نے ایک نظر سکرین پر ڈالی اور دوسری اس پر۔

"ہیلپ یور سیلف۔" نظروں سے ہی الوداع لیتے وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"جیسے آج تک تو تم ہی کرتے رہے ہو نا میری۔" بڑبڑا کر کہتے وہ مڑی ہی تھی جب وہ اسے سہیل کے ساتھ آتی دکھائی دی۔پروفیسر کی ہینڈسم شکل دیکھنے کے بعد اس نمونے کو دیکھ کر اس کا موڈ سخت خراب ہوا۔

آئیسل نے اسے دیکھا تو مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگی۔جبکہ دوسری ہستی کو سرے سے نظرانداز کیا۔اس کی شکل دیکھ کر ہی وہ اس کے مطبوعہ ارادوں کا اندازہ لگا سکتی تھی جو اس کی اکلوتی دوست کو نظر نہیں آتے تھے۔

"تم سے مل کر اچھا لگا،ایدا۔" سہیل نے آگے بڑھتے خود ہی پہل کر دی۔وہ اس کے شائستہ لب و لہجے کو دیکھ کر رہ گئی۔

"کاش! میں بھی یہ کہہ سکتی۔" وہ دوبدو بولی تو آئیسل نے اسے گھور کر دیکھا جس کا اس پر رتی برابر بھی اثر نہ پڑا۔سہیل کی مسکراہٹ سمٹی مگر خول نہ ٹوٹا۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" وہ آئیسل سے مخاطب ہوئی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تم چلو، میں آتی ہوں۔“مصروف سا کہہ کر وہ ایک جانب چل دی۔

”تم عورتیں کس منہ سے اتنی گوسپ کر لیتی ہو۔“وہ جو وہیں جما کھڑا تھا جیبوں میں ہاتھ ڈالے طنزیہ بولا۔

ایک قدم آگے بڑھتی ایدا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ابرو اچکا کر اس کی بکواس کو سراہا ہو جیسے۔پھر سینے پر بازو باندھے ایک قدم واپس لیتے عین اس نے سامنے رکی اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

”جس منہ سے تم مرد اتنی سیگریٹ پھونکتے ہو۔“

اس کی مسکراہٹ فوراً ہی سمٹی تھی۔وہ اس کے منہ لگنے پر بے ساختہ پچھتایا۔

”تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے۔“ماتھے پر بل لیے دانت پیس کر کہا۔

”سیم ہیئر...“آرمیدہ تاثرات لیے وہ پلٹ گئی۔اسے سلگا کر ایک مطمئن سی مسکراہٹ نے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔وہ اس کی پشت کو گھورتے پیر پٹختا واپس مڑا۔

فجر کی اذان گونجے کچھ ہی وقت گزرا تھا۔گلابی پھولوں والی بیلیں ہلکی ہلکی جھول رہی تھیں۔گھاس نما کارپٹ پر ننگے پاؤں بیٹھے اس نے سر بالکونی کی دیوار سے ٹکا رکھا تھا۔چہرے پر ابھی تک حجاب کی صورت چادر لے رکھی تھی اور نظریں سامنے والے گھر کی بالائی منزل پر واقع کمرے کی بالکونی پر جمائے ہوئی تھیں۔اس کی بالکونی میں رنگ اور پھول تھے جبکہ سامنے والی بالکونی سفید اور مرجھائی ہوئی تھی۔ایک

وقت تھا جب ایک شخص کی موجودگی ہی اس بے رنگ بالکونی کو اس کی رنگوں والی بالکونی سے کئی زیادہ دلکش بنادیتی تھی مگر اب.....ذہن میں منتشر خیالات کا شیرازہ سمٹ کر ایک منظر میں بستا دکھائی دیا۔

وقت تیزی سے کچھ سال پیچھے دوڑا۔پہاڑ وہی تھے،گھر وہی تھا اور بیلیں بھی وہی تھیں مگر وہ مختلف تھی۔اٹھارہ سال کی ایک خوبصورت اور خوش لڑکی....

نماز ادا کر کے وہ یوں ہی بالکونی میں نکل آئی تھی۔ہلکی ہلکی دھند کے سنگ سرد ہوا اس سے ٹکرائی تو جسم میں خون جما دینے والی سرسراتی لہر دوڑ گئی۔اس نے باہر آنے کے اپنے خیال پر افسوس کرتے واپس مڑنا چاہا جب نظریں ایک منظر کی اسیر ہوئیں۔وہ بے اختیار چلتے ہوئے بالکونی کے دوسرے سرے پر آ ٹکی۔ دھند کے پار سامنے والی بالکونی میں ایک نوجوان زمین پر جھکا ہوا تھا۔وہ سجدے میں تھا اور بڑی دیر تک رہا۔وہ بغیر پلکیں جھپکائے اسے محویت سے تکے گئی۔لڑکے نے جھکی پیشانی اٹھائی....اب وہ سلام پھیر رہا تھا۔پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب۔پھر اس نے اس کے اٹھتے ہاتھوں کو دیکھا۔چند ساعتیں مزید بیتیں...دھند اب دھیرے دھیرے ہٹتی جا رہی تھی اور وہ یوں ہی جمی اسے دیکھتے رہی۔

اس کی دعا اتنی لمبی کیوں تھی؟وہ کیا مانگ رہا تھا؟

اس نے بے اختیار سوچا۔لڑکا اب دونوں ہاتھ منہ پر پھیرتے اٹھ کھڑا ہوا۔جائے نماز کو تہہ لگاتے اس نے یوں ہی مڑ کر اس طرف دیکھا جہاں وہ بالکونی میں کھڑی تھی۔اس کے سر سے بیلیں ٹکرا کر پلٹیں۔ لڑکی نے پلکیں جھپکی اور سرعت سے مڑ گئی۔دل کی رفتار اچانک ہی تیز ہوئی تھی اور بدلتے جذبات سے وہ انجان رہی۔

وہ بھلا کیوں چھپ رہی تھی؟اس نے خود سے سوال کیا مگر جواب ندارد۔ جمے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے وہ اندر کی جانب بڑھی تھی۔اپنے پیچھے بالکونی کا دروازہ سلائیڈ کرتے وہ صرف ایک ہی سطر ذہن میں بار بار دہرا رہی تھی۔

اس نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا.....

یوں ہی یک ٹک تکتی اس کی سنہری آنکھوں میں جنبش ہوئی۔خیالات کا سمندر پھر سے ایک کوزے میں سمٹ گیا۔وہ ابھی بھی وہیں دیکھ رہی تھی جب آنکھوں نے ایک نیرنگ منظر دیکھا۔وہ اس کی ماہیت سے انکاری ہوئیں۔ محض آنکھیں دیکھ رہی تھیں جبکہ دماغ پر جمود طاری تھا۔سامنے والی بالکونی کے کھلے دروازے میں کوئی آ کھڑا ہوا تھا۔سیاہ لباس میں ملبوس مرد کی اس کی جانب پشت تھی۔وہ بغیر کسی ارتعاد کے ویسے ہی بیٹھی رہی پھر یکدم اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف مسکراہٹ ابھری۔اس نے رخ بدل دیا۔کیا اب وہ اسے یوں ہی سرعام نظر آنے لگا تھا؟اس نے یاسیت سے سوچا۔

"یہ جورات دن کا ہے کھیل سا،اسے دیکھ،اس پر یقین نہ کر
نہیں عکس کوئی بھی مستقل سرآئینہ،اسے بھول جا۔"

گہرا سانس بھرتے سر گھٹنوں پر گرا دیا۔چند ساعتوں بعد اٹھایا تو اب کہ منظر صاف ہو گیا۔دروازہ بند تھا اور وہاں کوئی نہیں تھا۔وہ سر جھٹک کے رہ گئی اور اٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔آج وہ جلدی فلوور شاپ جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

www.baazarofnovels.com

زارم اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ٹانگے لمبی کر کے میز پر جمار کھی تھیں۔ایک ہاتھ تھوڑی پہ ٹکائے دوسرے سے سکرول کر رہا تھا۔دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔اس کی متحرک انگلیاں تھمیں، گردن گھما کر دیکھا تو طروبہ بیگم دروازے میں کھڑی نظر آئیں۔

''اندر آجاؤں؟''انہوں نے مسکراتے ہوئے اجازت مانگی۔وہ پیر سمیٹتے سیدھا ہو بیٹھا۔

''ارے آئیں نہ امی! آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔''وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ چند قدموں کا فاصلہ عبور کرتی اس کے ساتھ صوفے پر آبیٹھیں۔پھر ہاتھ میں پکڑی تسبیح کو مٹھی میں دباتے کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا۔وہ بے اختیار ہنس دیا۔بچپن ایک پل میں نظروں کو چھو کر او جھل ہوا تھا۔

پھر انہوں نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''جب اولاد بڑی ہو جائے تو اجازت لینی پڑتی ہے۔''اس کے بھورے مائل سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے وہ مسکرائی تھیں۔

''سہی کہا آپ نے، تیس کا ہونے والا ہوں۔کافی بڑا ہو گیا ہوں میں۔''وہ سرسری سا خود پر چوٹ کرتے بولا۔

''اور پھر تمہاری بیوی بھی تو آئے گی،تب تو اور خیال کرنا پڑے گا۔''وہ ذو معنی سا کہتے اسی نہج پر اٹکی تھیں۔اس نے ابرو اچکا کر انہیں دیکھا۔ان کا مہربان چہرہ قدرے پُر سکون تھا۔

''یہ بیوی کہاں سے آگئی بیچ میں؟''وہ ذرا مشکوک ہوا۔

''کیا مطلب؟ شادی نہیں کرو گے؟'' جوابا اُنہوں نے سوال داغا تو وہ گہرا سانس بھرتے پیچھے ہوا۔

ریڈنگ گلاسز ابھی تک آنکھوں پر جمی تھیں جنہیں اس نے اتار کر سائیڈ پر رکھا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔''

اس کے مثبت جواب پر وہ مزید اس کی طرف رخ موڑ کر بیٹھ گئیں۔

''چند دن پہلے میں آپا کی طرف گئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے اشارے اشارے میں خنساء کے لیے بات کی ہے۔'' وہ پرجوش سا بتا رہی تھیں۔

''کس حوالے سے؟'' ناسمجھی سے پوچھا۔

''رشتے کے لیے۔'' انہوں نے خوشی سے بتایا۔

''کس کے ساتھ؟'' وہ اب بھی بے نیاز ہی رہا۔

''تمہارے ساتھ اور کون....'' وہ جو توجہ سے سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا ٹھہر گیا۔ گردن اٹھا کر تعجب اور نافہمی سے انہیں دیکھا۔

''میں؟ پر میں کیوں؟''

''اور تم کیوں نہیں ہو سکتے؟'' وہ بھی جوابا اسی کے انداز میں بولیں۔

''نہیں میرا مطلب ایسے اچانک.... آپ نے کیا کہا پھر؟'' اضطراب سے پوچھا۔

''مجھے تو خنساء پسند ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی ہے۔ لیکن میں نے کہا تم سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا میرے بچے۔'' ٹھہر کر نرمی سے بتایا۔ وہ کچھ سمے خاموشی سے

سوچ گیا۔امی منتظر نظر آتی تھیں۔انہیں ابھی ہی جواب چاہیے تھا۔بس ایک پل کے لیےاس کے ذہن میں کوئی اچانک سے وارد ہوا تھا۔وہ کس بارے میں سوچ رہا تھااور اس کا دماغ اسے کہاں لے کر جا رہا تھا۔مگر شاید وہ دماغ اور دل میں فرق کرنا نہیں جانتا تھا۔پھر وہ سر جھٹکتا واپس متوجہ ہوا۔

''اگر آپ کو پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' بالآخر وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔کسی سے تو کرنی ہی تھی نا۔خنساء اچھا آپشن تھی اور اس کی پھوپھوزاد بھی تھی۔

طروبہ بیگم کے چہرے پر رونق پھیل گئی۔دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھامتے سر پر بوسہ دیا۔وہ ہولے سے مسکرا دیا۔پھر ان کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر چونکا۔بے اختیار ان کے ہاتھ تھام کر فکرمندی سے دیکھا۔

''کیا ہوا امی؟''

وہ نفی میں سر ہلاتی مسکرا دیں۔

''تمہارے ابا کے بعد میں نے تم دونوں کو اکیلے پالا ہے۔مجھے ڈر تھا میں تم دونوں کی اچھی تربیت نہیں کر پاؤں گی۔نہ ہی تم دونوں میرے قریب تھے اور تم تو گھر سے بھی دور ہوتے تھے۔لیکن آج مجھے اپنی تربیت پر فخر ہے۔''

جواباً وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے ان کے گرد بازو پھیلائے کندھے سے لگا گیا۔

''اب ہم ساتھ ہیں،ایک دوسرے کے قریب اور ہمیں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔لہجے کو تلخ ہونے سے بامشکل روکا تھا۔

"میں آپا کو فون کر کے خوشخبری سنا دیتی ہوں۔آئیسل کی شادی کے بعد تمہاری بھی بات پکی کر دیں گے۔"اس سے الگ ہو کر آنسو صاف کرتے، مسکرا کر کہتی وہ وہاں سے رخصت ہو گئیں۔وہ دنوں ہاتھ آپس میں پیوست کیے کئی پل یوں ہی دروازے کو تکے گیا۔اس کی ماں خوش تھی اس کے لیے یہی کافی تھا۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو بانو میز پر جوس کا جگ رکھتی نظر آئی۔

آج اس نے ہلکی گلابی قمیض کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ہم رنگ دوپٹہ ایک طرف ڈالے چہرہ پر میک اپ کے نام پہ محض لپ ٹنٹ لگا رکھا تھا۔پاؤں میں ہمیشہ کی طرح بیلیٹ شوز پہنے وہ تیار نظر آتی تھی۔گلابی رنگ اس پر سوٹ کرتا تھا۔

"ناشتہ نہیں کریں گی آپ؟" بانو نے اسے بغیر ناشتہ کیا تیار باہر کی جانب بڑھتے دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

"نہیں۔میں راستے میں کافی لے لوں گی۔" وہ مسکرا کر کہتی آگے بڑھی۔بانو نے اتنی محنت سے بنائے میز پر سجے اپنے پراٹھوں کو دیکھا اور ایک نظر آگے جاتی آئیسل کو۔

کل کی آئی کافی کا بھلا اس کے پشتوں سے بنتے آرہے پراٹھوں سے کوئی مقابلہ تھا۔ہنہہ۔برا سا منہ بناتے وہ پلٹ گئی۔اس سے تو بہتر ہوتا کہ وہ یہ لزیز پراٹھے اپنے منگیتر کو کھلاتی۔آہ! ابھی صرف منگنی ہوئی تھی۔اماں اس کی شادی کب کرنے والی تھیں....

طروبہ بیگم کمرے سے نکل کر باہر آئیں تو آئیسل کو دہلیز پار کرتے دیکھا۔

"یہ کہاں جارہی ہے؟" وہ بانو سے مخاطب ہوئیں جو ابھی تک پراٹھوں میں ہی اٹکی تھی۔

”شاپ پر جا رہی ہیں۔“

”حد ہے جمعہ کو مایوں ہے اور اس لڑکی کو پھول بیچنے کی پڑی ہے۔“تسبیح کے دانے گراتے وہ خفا ہوئیں۔ وہ اب باہر پورچ میں نکل آئی تھی۔ابھی سورج پوری طرح سے نہیں ابھرا تھا۔اس نے ایک نظر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور دوسری نظر کیاری میں لگے اپنے پودوں پر ڈالی۔وہ کھلے ہوئے تھے۔وہ مسکرادی۔پھر ناچاہتے ہوئے بھی گردن پھیر کر یامین تایا کے لان پر ڈالی۔وہ نظر ٹھہر گئی اور اس کے ساتھ وہ خود بھی۔ قدم ساکت ہوئے اور سانس ساکن۔

گھر کے سامنے لگے مرجھائے پھولوں کی قطار کے سامنے کوئی بیٹھا تھا۔آئیسل کی جانب اس کی پشت تھی۔سیاہ ٹی شرٹ اور ٹراوٴزر میں ملبوس،سیاہ بالوں سے ڈھکے سر کو جھکائے وہ دوزانو بیٹھے پھولوں کا معائنہ کررہا تھا۔وہ چند پل یوں ہی جمی رہی پھر اس نے اپنے قدموں کو اس جانب اٹھتا پایا۔ایک سیدھی روش تھی جو مزید لمبی ہوتی گئی۔

وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے اٹھ کھڑا ہوا۔رخ اب بھی نہیں پھیرا۔وہ قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک...دو... تین...چار...پانچ...چھ...سات... حتیٰ کہ وہ اس کے قریب پہنچ گئی۔آہٹ پر مخالف نے رخ موڑا اور آئیسل کو لگا وہ سانس نہیں لے رہی۔پلکیں ہلنے سے انکاری ہوئیں۔وہ ساکت و جامد سی ٹھہر گئی۔وہ اس شخص کو پہچانتی تھی۔وہ اسے ہی تو پہچانتی تھی۔سات قدم سات سال کا سفر تھا جسے وہ طے کر آئی تھی۔وہ باب اجابت میں کھڑی تھی۔وہ دعائیں جو ایک وقت میں وہ اس کے واپس لوٹ آنے کی غرض سے مانگتی تھی اس وقت قبولیت کی صورت میں اس کے سامنے تھیں۔اسے نے اپنے ہلتے لب

محسوس کیے لیکن وہ کچھ بول نہیں رہی تھی۔یعنی صبح بالکونی میں جو ہیولہ اس نے دیکھا وہ اس کا وہم نہیں تھا۔وہ وہی تھا۔

اس نے اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اس کے سامنے آٹھہرا تھا۔آئیسل نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ مزید دراز قد ہو گیا تھا۔پھر وہ مسکرایا۔کیا اسے پتا تھا کہ وہ جب وہ مسکراتا ہے تو کتنا دلکش لگتا ہے؟وہ یوں ہی اسے دیکھے گئی۔

پھر اسے اس کی آواز سنائی دی۔گہری بھاری مردانہ آواز پر اس کا ارتکاز ٹوٹا۔اس نے چونک کر آنکھیں جھکائیں۔

''تم نے میرے پھولوں کا دھیان نہیں رکھا؟''وہ خفا سا اس سے کہہ رہا تھا۔اسے ایک لمحہ لگا اس کی بات کو سمجھنے میں پھر وہ چونکی اور گردن پھیر کر اس سمت دیکھا جہاں وہ کچھ دیر پہلے جھکا ہوا تھا۔پھر واپس اس کی طرف دیکھا جو سیاہ آنکھیں اسی پر مرکوز کیے کھڑا تھا۔اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

''یہ میرے پھول نہیں ہیں اس لیے میں ان کی مکلّف نہیں ہوں۔''وہ رکھائی سے بولی۔کچھ دیر پہلے والا تاثر مستثنیٰ تھا۔

''ہم میں ہمارا تمہارا کب سے ہونے لگا؟''اس نے لہجے میں تحیر سموئے پوچھا۔جواباً وہ خاموش رہی۔وہ سمجھ کر سر ہلاتے پیچھے ہوا اور ذرا سا جھک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو،آئیسل؟''وہ فکر مند نظر آتا تھا۔

وہ اس انداز کو بھی پہچانتی تھی۔وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔وہ اتنا نارمل کیسے بات کر رہا تھا؟

www.baazarofnovels.com

"ناراض ہونے کے لیے وقت بہت پیچھے رہ گیا ہے۔"

"لیکن ہم تو وہی ہیں نا۔" وہ کس قدر مان سے کہہ رہا تھا۔اس کے گلے میں پھندا سا پھنسا۔

وہ مزید کچھ کہتی جب اس کے عقب سے ایک پتلی جسامت اور لمبے بالوں والا لڑکا آتا دکھائی دیا۔اس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن پھیر کر دیکھا۔وہ اب کے قریب آٹھہرا تھا۔پھر مسکرا کر انہیں دیکھا۔وہ ناسمجھی سے اس انجان چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ میری دوست ہے، آئیسل اور آئیسل یہ میرا پی اے ہے، سعد سلیم۔" ان دونوں کو ایک دوسرے کو حیرت سے تکتا پا کر اس نے ان کی مشکل آسان کر دی۔جبکہ وہ اس کے طرز تخاطب پر ٹھہر گئی تھی۔ اس نے اسے کزن نہیں کہا تھا۔ان کا پہلا تعارف آج بھی دوستی ہی تھا۔

"اچھا تو آپ ہیں وہ خاص دوست جن کی شادی کے ایونٹس ارگنائز کرنے آئے ہیں ہم!" وہ قدرے پرجوش سا بولا۔

"نہیں یہ وہ نہیں ہے...." اس نے تصیح کی جب وہ اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ گئی۔

"آپ کو کیسے پتا کہ میری شادی ہو رہی ہے؟" وہ ناسمجھی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔جبکہ وہ بولتے رکا پھر ٹھہر کر اسے دیکھا۔وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم شادی کر رہی ہو؟" عام سے لہجے میں مسکرا کر پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔کیا وہ نہیں جانتا تھا؟

"بہت مبارک ہو۔" وہ اس کے لیے خوش تھا۔اسے تکلیف ہوئی۔ پھر اسے سہیل کا خیال آیا اس نے سر جھٹکا۔وہ اس کے ساتھ خیانت نہیں کر سکتی تھی۔

"مجھے کچھ کام ہے۔ایکسکیوزمی!" وہ مزید بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ گئی۔ آنسوؤں نہ جانے کہاں سے آ گئے تھے۔

"کہاں آ کے رکنے تھے راستے کہاں موڑ تھا،اسے بھول جا

وہ جو مل گیا،اسے یاد رکھ،جو نہیں ملا اسے بھول جا"

اس نے دھندلی بصارت کے ساتھ بیگ سے موبائل نکالا اور ایدا کے نمبر پر ایک میسج لکھ کر بھیجا۔

"وہ واپس آ گیا ہے۔" وہ آنلائن تھی تبھی جوابی میسج فوراً موصول ہوا تھا۔

"وہ کون؟"

اس نے تیزی سے جواب لکھا۔ پھر سینڈ کے آپشن پر کلک کرتے ٹھہر گئی۔چند آنسو سکرین پر گرے اور اس نے میسج ڈیلیور کر دیا۔

"آراس...آراس یامین.... وہ لوٹ آیا ہے۔" دوبارہ کوئی میسج نہیں ابھرا۔اس نے موبائل بند کر کے بیگ میں ڈال دیا۔ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

وہ کیوں آیا تھا؟اسے نہیں آنا چاہیے تھا۔وہ جانتی تھی اس کے آنے سے سب پیچیدہ ہو جائے گا۔اسے نہیں آنا چاہیے تھا۔

کاظم ٹیکسٹائلز کے لوگو والی اس عمارت کی راہداری میں سیاہ اسٹیلیٹو کی ٹھک ٹھک گونج رہی تھی۔ایک کے بعد زمین پر مضبوطی سے قدم جماتی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ سرخ کارسٹ ٹاپ کے ساتھ سرخ لانگ اسکرٹ پہن رکھی تھی۔ایش براؤن بال کس کر جوڑے میں بندھے تھے اور کانوں میں پہنے سنہری ائیر کفس دور سے ہی نمایاں تھے۔ گردن گھما کر اس نے سیاہ فریمز کے پار سے گلاس وال سے نظر آتے خوبصورت شہر پر ایک نگاہ ڈالی۔یہ رونقیں آج اس پر اثرانداز نہ ہو سکیں۔ بڑے سے کانفرنس نما آفس کے سامنے ٹھہر کر اس نے گہرا سانس بھرا اور ہینڈل کی مدد سے دروازہ دھکیلتے اندر داخل ہوئی۔ لمبی میز کے گرد کئی کرسیاں ساکت پڑی تھیں۔ سربراہی کرسی پر ایک آدمی براجمان تھا جس کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ایک لمبے قد کاٹھ والی عورت کھڑی تھی، جو اسے دیکھ کر مسکرائی۔ جواباً اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور قدم قدم چلتے ان کے دائیں جانب والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔سیاہ سیڈل بیگ میز پر دھرا اور ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔سیاہ شیڈز آنکھوں پر ہی جمے رہے۔

سرمئی بالوں والا وہ شخص اس کے بیٹھتے ہی سیدھا ہوا۔دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں الجھا کر میز پر دھرے اور ایک نرم مسکراہٹ لیے اسے دیکھا۔وہ بھی انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ شخصیت کا رعب اس پل عنقا تھا مگر وہ بے تاثر رہی۔ نظریوں ہی ان کے سامنے دھری نیم پلیٹ پر پڑی۔ 'مراد کاظم ڈائریکٹر آف کاظم ٹیکسٹائلز۔'

"کیسی ہے میری بیٹی؟" ٹھہر کر پوچھا۔ سیاہ چشمے کے پار سے بھی وہ ان کے سرمئی بالوں میں جھلکتی چاندنی دیکھ سکتی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" سادہ سے لہجے میں کہا۔

"میں نے تمہیں یہاں ایک اہم سلسلے کے لیے بلایا ہے۔" انہوں نے اضافہ کیا۔

"کیا میں جان سکتی ہوں وہ 'اہم' کیا ہے؟" جتا کر پوچھا۔ کہیں نہ کہیں وہ اس ملاقات کی نوعیت سے واقف تھی۔ مگر ان کے منہ سے سننے کا انتظار کیا۔ ان کے ساتھ کھڑی عورت کو اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔

"تمہاری ممی اور میں نے...."

"یہ میری ماں نہیں ہے!" ان کی بات بیچ میں ہی رہ گئی وہ یکدم تیز لہجے میں بولی تھی۔ "میری ماں مر گئی ہے۔ یہ صرف آپ کی بیوی ہے۔ میری ماں کی جگہ لینے کی کوشش بھی مت کرنا۔" آخری میں خاموش کھڑی عورت کو مخاطب کرتے دانت بھینچ کر کہا۔

"تمیز بھول گئی ہو، ایدا۔ یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔" کچھ دیر قبل والا نرم لہجہ ہوا اور اس کی جگہ کرختگی نے لے لی۔ وہ یہی تو چاہتی تھی ان کا یہ محبت و شفقت والا خول ٹوٹ جائے جو کہ جلدی ہی اثر کر گیا تھا۔ وہ فوراً ہی مشتعل ہوئے تھے۔

"جانے دیں کاظم! جوان بچی ہے۔ اس طرح اس پر چلانا اچھا نہیں۔ پیار سے بھی بات ہو سکتی ہے۔" نازک اندام تاثرات سجائے ان کا کندھا دبا کر بولیں تو ایدا تلخی سے ہنس دی۔

''دیکھ نہیں رہی، فریحال باپ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہے یہ۔'' وہ اس کا نام لے کر اس سے مخاطب ہوئے۔ جواباً انہوں نے آنکھوں سے شانت رہنے کی تنبیہ کی تو وہ کچھ دھیمے پڑے۔

وہ خاموشی سے ان کی حرکات ملاحظہ فرماتی رہی۔ نہ جانے کتنے روپ تھے اس مکر باز عورت کے....

وہ گہرا سانس بھر کر اس کی جانب متوجہ ہوئے جس نے جبڑے بھینچ رکھے تھے اور گردن کی نسیں ابھری ہوئی تھیں۔

''میں نے تمہارے لیے لڑکا پسند کیا ہے۔ فریحال کا بھانجا ہے۔ بہت ہی قابل....''

''اوا چھا! تو اس دفعہ کتنے میں خریدا ہے آپ نے؟'' ترش لہجے میں کہتی وہ ان کی بات بیچ میں ہی کاٹ چکی تھی۔ وہ ضبط سے اسے دیکھے گئے۔ اب کے فریحال کچھ سوچ کر آگے ہوئی۔

''دیکھو ایدا!''

''آپ بیچ میں مت بولیے، مس فریحال زیدی۔'' ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

''میں نے اسے بھی بلایا ہے تم مل لو۔'' مراد کاظم اس کی پرواہ کیے بغیر بولے اور انٹرکام پریس کرتے کسی کو اندر بلایا۔

''میں آجاؤں انکل!'' مردانہ آواز کے ساتھ وہ شخص اندر داخل ہو چکا تھا۔

''آؤ بیٹا۔ اس سے ملو، یہ ہے میری بیٹی، ایدا کاظم۔'' اس کی طرف سے بے نیاز سے وہ کہہ رہے تھے۔

اس نے بے ساختہ مٹھی بھینچی۔ آنکھوں میں سرخ نمی چھلکی مگر درمیان میں سیاہ فریمز سیاہ پردے کی صورت اس کے تاثرات چھپا گئے۔ نوجوان اب آگے بڑھ آیا تھا۔ وہ اب اسے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ وہ

یکدم کھڑی ہوگئی۔ سوٹ میں ملبوس اپنے سے چندانچ چھوٹے قد والے اس آدمی کو ٹھہر کر دیکھا۔ وہ اس کی جانب ہاتھ بڑھائے ہوئے تھا۔

''میں غلاموں سے ہاتھ نہیں ملاتی۔'' کاٹ دار لہجے میں کہہ کر وہ خاموش ہوئی۔ وہ گڑبڑایا۔ ایک نظر اس کے پیچھے کھڑی فریحال پر ڈالی اور دوسری اپنے سامنے کھڑی دراز قد لڑکی پر۔

''کیا مطلب؟'' ناسمجھی سے پوچھا۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کرتے وہ قریب آئی۔ ہیل کی ٹھک ٹھک خاموش ہال میں گونج کر رہ گئی حتیٰ کہ وہ اس کے پاس آر کی۔ سر کو ہلکا ساجھکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہوا۔

''جہیز میں میرے باپ سے تمہیں جو شئیرز ملنے والے ہیں اس حساب سے تو تم میرے غلام ٹھہرے۔ نہیں؟''

وہ بے اختیار کھانستا ہوا پیچھے ہوا۔ جبکہ وہ سیدھی ہوئی اور مڑ کر اپنے باپ کو دیکھا جو سخت شعلہ برساتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ماتھے پر بے شمار بل پڑے تھے۔ وہ اثر لیے بغیر آگے بڑھی۔

''مجھے تیرہ سالہ ایدا سمجھنے کی غلطی مت کریے گا، میں اٹھائیس سالہ ایدا کاظم ہوں اور خیرات میں ملی ہوئی محبتیں مجھے قبول نہیں۔''

ایک ایک لفظ پر زور دیتی وہ پرس کھینچ کر اٹھاتی واپس پلٹی جب دروازہ دھکیلتے ان کی آواز کانوں میں صور کی مانند گونجی۔

''تم بھلے ہی پینسٹھ کی کیوں نہ ہو جاؤ۔ تمہارے نام کے ساتھ کاظم ہمیشہ جڑا رہے گا۔ تم اپنے نام سے جدا نہیں ہو سکتی۔''

ہینڈل پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی پھر وہ ان پر ایک سخت نگاہ ڈالے دروازہ کھول کر نکل گئی۔

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے کرسی پر پیچھے ہو بیٹھے۔ دو انگلیوں سے ماتھا سہلایا۔ فریحال کے اشارے پر وہ لڑکا سر ہلاتا واپس چلا گیا تھا۔

وہ گلاس سے پانی ڈالتی ان کی جانب بڑھی۔

''پیار سے سمجھائیں گے تو آج نہیں تو کل وہ مان جائے گی۔ آپ پریشان مت ہوں۔'' ان کا ہاتھ سہلاتے تسلی دی۔

''اور کتنا پیار سے سمجھاؤں۔ اپنی ماں کی طرح ڈھیٹ ہے، اس کی بھلائی سوچو تو اسے راس نہیں آتی۔ اس رشتے سے ہماری کمپنی کو کتنا فائدہ ہو سکتا ہے لیکن اسے تو باپ کی کوئی فکر ہی نہیں۔'' پانی کا گلاس تھامتے غصے سے بولا۔

''میں نے کہا نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' دھیمی مسکراہٹ سجائے شیشے کے پار خالی راہداری کو دیکھ کر کہا جس سے وہ ابھی گئی تھی۔

وہ کلاس کا لیکچر لے کر فارغ ہوتے باہر نکلا تھا جب اسے ایک کال موصول ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑی چند کتابیں اس نے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیں اور پینٹ کی جیب سے فون نکالا۔ نمبر غیر شناسہ تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے کال اٹھالی۔

''ہیلو!'' اگلے ہی پل سپیکر سے نسوانی آواز گونجی۔ وہ چونکا پھر محتاط سا ایک جانب آ کھڑا ہوا۔

''جی زارم بول رہا ہوں۔'' اس نے ابرو اچکا کر دوسری طرف اطلاع کیا۔

''میں خنساء بات کر رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ اس نے ایک پل کو ٹھہر کر سوچا کہ وہ کتنی خنساء کو جانتا تھا۔ دماغ کی سلیٹ پر ایک ہی خنساء کا نام ابھرا۔ خنساء راسم اس کی کزن۔ اس کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔

''میں پہچان گیا ہوں۔ کس لیے فون کیا؟'' آہستہ سے پوچھا۔

''وہ مجھے کچھ کہنا ہے۔'' آواز سے وہ تذبذب کا شکار لگتی تھی۔

''خیریت ہے؟'' وہ نرم و متفکر تضاد تاثرات لیے بولا۔ نظر سامنے بڑے سے گراؤنڈ میں قطار در قطار لگے سفیدے کے درختوں پر جمی تھی۔ جو ہوا سے ہلکے ہلکے جھول رہے تھے۔

''ہاں سب ٹھیک ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''کیا بات کرنی ہے۔ میں سن رہا ہوں۔'' پاس سے گزرتے طلباء میں سے ایک کو اشارے سے قریب بلا کر ہاتھ میں پکڑی کتابیں تھماتے اس کے کیبن میں رکھنے کی ہدایت دی اور پھر گردن پھیر کر واپس ان درختوں کو دیکھنے لگا۔

''وہ ہمارے رشتے کی بات...'' دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی گئی۔

''امی نے بتایا تھا۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے اس رشتے سے۔'' وہ شاید سمجھا تھا کہ وہ اس کی رضامندی جاننا چاہتی ہے۔

''لیکن مجھے ہے۔'' وہ اچانک سے تیز لہجے میں بولی۔ وہ ٹھہر گیا۔

''کیا میں وجہ جان سکتا ہوں؟'' وہ جلدی کوئی بھی ریکشن نہیں دیتا تھا نہ رائے قائم کرتا تھا۔ ابھی بھی تحمل سے پوچھا۔

''میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔''

اس کے ہونٹ او کے انداز میں سکڑے۔ فون کان سے لگائے اس نے چہرہ جھکا کر اپنے جوتوں کو دیکھا۔ یکدم اس دن کا منظر یاد آیا جب وہ کچن میں اس کے داخل ہونے پر گھبرا کر فون بند کر گئی تھی۔ وہ جیسے سارا معاملہ سمجھ گیا تھا۔

''مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' سرد آہ خارج کرتے ٹھہر کر پوچھا۔ وہ ایسا ہی تھا دوسروں پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرتا تھا اور دوسروں کی رائے کا احترام کرنے والا۔ زارم جلبانی کو ناں سمجھ آتا تھا۔

''آپ اس رشتے سے انکار کر دیں۔'' وہ جیسے پہلے سے ہی سب ترتیب دے کر بیٹھی تھی۔

''اور میں انکار کی وجہ کیا بتاؤں گا جبکہ میں پہلے ہی ہاں کر چکا ہوں۔''

چند ثانیے خاموشی چھائی رہی پھر دوسری جانب اس کی آواز گونجی۔

''یہی کہ آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔'' وہ اس کے جواب پر ہلکا سا مسکرایا۔ اب وہ اچانک سے ایک نئی پسند کہاں سے ڈھونڈ لائے۔

''کیا وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے؟'' اسے واقعتاً فکر ہوئی۔ آخر وہ اس کی فیملی کا حصہ تھی۔

''جی وہ جلد رشتہ لائے گا! لیکن آپ ابھی اس بارے میں کسی سے کچھ مت کہنا، ایک بار بھائی اور آئیسل کی شادی ہو جائے اس کے بعد آپ اس رشتے سے انکار کر دینا۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر کہتی جیسے یقینی بنا رہی تھی کہ وہ کچھ نہ کہے۔

''میں دیکھتا ہوں کیا کر سکتا ہوں۔'' اس نے تائید کر دی تو دوسری طرف اس نے سکھ کا سانس بھرا۔

''تھینکیو زارم۔ آپ بہت اچھے ہیں اور جو بھی لڑکی آپ کی زندگی میں شامل ہو گی وہ بہت خوش نصیب ہو گی۔''

وہ تشکر کے احساس کے ساتھ کہہ رہی تھی جواباً وہ کچھ نہ بولا اور پھر ایک دو مزید بات کے بعد وہ فون رکھ چکا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا پھر گہرا سانس بھرتے ایک طرف چل دیا اسے ابھی ایک اور کلاس لینی تھی۔

دوپہر کو باسی ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی۔ موسم آج پھر ابر آلود تھا۔ سرسبز پہاڑوں پر ٹولیوں کی صورت بھٹکتے بادل دھوپ کے خلاف بغاوت پر اتر آئے تھے۔ بہار کی ایک اور اداس بارش زخمی دلوں پر مرہم کی مانند برسنا چاہتی تھی۔

ایسے میں وہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر گھر کے لیے نکل رہا تھا۔ جب صدر دروازے سے باہر اس کے قدم تھمے تھے۔ سڑک کے ایک جانب سرخ بوگن ویلا کے درخت کے نیچے وہ اپنی کار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ وہ استفہامیہ ابرو اٹھاتا اس جانب بڑھا۔

وہ بھی اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر سیدھی ہو کھڑی ہوئی۔ پھر ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کیا جو پہلے ہی اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''آؤ، پروفیسر تمہیں لفٹ دے دوں۔'' اس کے کچھ پوچھنے سے قبل ہی وہ دروازہ کھول چکی تھی۔

وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کے پاس گاڑی ہے مگر وہ خاموش سا وہیں ٹکا رہا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا۔

''تم یہاں کب سے کھڑی ہو؟'' حیرت سے پوچھا۔ وہ دروازہ بند کرتی واپس پلٹی۔

''پتا نہیں وقت نہیں دیکھا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے یا شاید ایک گھنٹہ۔'' وہ سوچنے کے سے انداز میں بولی۔

''کس لیے؟'' چونک کر پوچھا۔ وہ گہرا سانس بھرتے چند قدم چل کر قریب آئی۔

''کیونکہ مجھے اکیلے نہیں رہنا۔ میری ایک دوست پہلے ہی بہت سے مسائل میں گھری ہے۔ میں اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی اور میرا دوسرا دوست ایک عرصہ سے دور ہے۔ اب آخر میں صرف تم ہی بچتے ہو۔''

وہ ایک ہی سانس میں جلدی سے بولی۔ وہ گہری بھوری آنکھوں سے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے لہجے کی اداسی بھانپ گیا تھا اور اس کی گلاسز کے پار قید آنکھوں کی ویرانی بھی۔ گہرا سانس بھرتے گردن جھکائی پھر ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''تو میں تمہارا لاسٹ آپشن ہوں؟'' خفیف سا مسکرا کر پوچھا۔ وہ جانتی تھی وہ طنز نہیں کر رہا۔ وہ طنز نہیں کیا کرتا تھا۔

''تم میرا واحد آپشن ہو۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ وہ چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ یوں ہی گردن گھما کر بوگن ویلا کے سرخ پھولوں کو دیکھا اور پھر اپنے سامنے کھڑی سرخ لباس والی لڑکی کو۔

ایدا کاظم جس کے بارے میں وہ زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا سوائے اس کے کہ وہ بری نہیں لگتی تھی۔

اس نے ہامی بھرتے قدم گاڑی کی جانب بڑھائے۔ وہ بھی سر ہلاتی اس کے پیچھے ہوئی۔

''ڈرائیو میں کروں گا۔'' فرنٹ ڈور کھولتے اسے دیکھ کر کہا۔ لہجہ حکمیہ تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے چابی اسے تھمادی اور خود گھوم کر پیسنجر سیٹ پر جا بیٹھی۔ سیٹ بیلٹ لگاتے ایک نظر اسے دیکھا جو ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ اگنیشن میں چابی گھماتے، سٹیرنگ وہیل پر مضبوطی سے انگلیاں جمائیں، بیک ویو مرر کو اوپر کرتا وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

چند منٹوں کی ڈرائیو کے بعد وہ دونوں ایک پارک میں موجود تھے۔ وہ آگے آگے چل رہا تھا جبکہ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس نے آنکھوں پر چڑھے شیڈز اتار دیے تھے۔ روشنی میں ایک

پل کو آنکھیں چندھیائی جنہیں اس نے بند کر کے کھولا۔اب منظر خوبصورت تھا۔ ہرا اور پُر سکون۔ آسمان پر اب بھی سرمئی بادل گھومتے نظر آتے تھے مگر فلحال برسنے کا ارادہ ملتوی کیے ہوئے تھے۔ وہ دونوں چلتے چلتے ایک بیری کے درخت کے نیچے رکھے بینچ پر آبیٹھے جس کے پتے ہلکی ہلکی ہوا سے جھول رہے تھے۔ایک سبز پتہ جھومتا ہوا ایدا کے سر پر آ گرجو خاموشی سے سامنے بنی جھیل کو دیکھ رہی تھی جس کے اندر کمل کے پھول کھلے تھے۔

پھر گردن پھیر کر اسے دیکھا۔وہ اسے کسی ریسٹورنٹ یا کیفے وغیرہ میں نہیں لے گیا تھا جہاں اندر کا شور مزید بڑھ جاتا۔وہ آسودہ سا مسکرا دی۔اس نے اس کا انتخاب کر کے غلط نہیں کیا تھا۔

"پہلے میں بولوں یا تم بولو گے ؟"سامنے دیکھ کر کہا۔

وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"مجھے کیا بولنا ہے ؟"وہ فوراً سے رخ پھیر کر بولا۔اب یہ لڑکی کیا اس کا چہرہ بھی پڑھنے لگی تھی۔

"وہی جو پریشان کر رہا ہے۔"وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"اس نے تردید کی۔

"میرے سامنے فلٹر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، پروفیسر۔میں اس پار دیکھ سکتی ہوں۔"

تردید رد ہوئی۔وہ تکان زدہ سا سانس چھوڑتا پیچھے ہو بیٹھا۔

"پہلے تم۔"ہار مانتے کہا۔وہ بھی اثبات میں سر ہلاتی پیچھے ہوئی تو زارم کی نظر اس کے بالوں میں گرے پتے پر پڑی۔وہ خاموش رہا، اس سے کچھ نہیں کہا۔

''میرا باپ اپنی وائف کے بھانجے کے ساتھ میری شادی کرنا چاہتا ہے۔دوسرے لفظوں میں کنٹریکٹ کرنا چاہتا ہے جس سے ان کی کمپنی کو فائدہ ہوگا اور ان کی وائف کے حصے میں جائیداد کا اضافہ۔''وہ عام سے انداز میں کہہ رہی تھی جیسے روزنامچہ سنا رہی تھی۔زارم خاموشی سے سنے گیا۔

''تو تم کیا کروگی پھر؟''سرسری سا پوچھا۔

''ظاہر ہے مجھے اس بکاؤ غلام سے شادی نہیں کرنی۔اور یہ پہلی دفعہ نہیں ہے،اس سے پہلے بھی وہ بہت سو کو کمپنی کے شئیرز کا لالچ دے کر مجھ سے شادی کی آفر دے چکے ہیں۔''اس کی باتوں سے اسے یہ تو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا باپ کوئی بزنس مین تھا۔

''تو ان کے ساتھ کیا کیا تم نے؟''وہ کچھ متجسس ہوا۔ایدا نے گردن اس کی جانب گھمائی۔

''وہی جو آج والے کے ساتھ کیا۔''لہجے کو پراسرار بنایا گیا۔زارم نے گھبرا کر اسے دیکھا۔اس کے تاثرات کچھ اچھے نہیں تھے۔

''کیا؟''بہت سا تھوک حلق سے اتار کر پوچھا۔

وہ چند اسے دیکھتی رہی۔

''ریجیکٹ اور کیا۔''پھر دھیرے سے بولی تو اس نے بے اختیار سکون بھرا سانس لیا۔کہہ تو ایسے رہی تھی جیسے مار وار دیا ہو ان کو۔

''کب تک کروگی؟''اب کے سنجیدہ سا ہو کر پوچھا تو وہ بھی سیدھی ہو بیٹھی۔

''جب تک کر سکتی ہوں۔''اس سے زیادہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

''اور اگر انہوں نے زبردستی کی پھر؟'' وہ متفکر نظر آیا۔ جیسے ہر نہج پر جان لینا چاہتا تھا۔ ایدا نے اسے دیکھا پھر شرارت سے چمکتی آنکھوں کے ساتھ بولی۔

''تو تم مجھے بچا لینا۔'' وہ اپنے فارم میں واپس آ رہی تھی جسے اس کو چھیڑ کر مزہ آتا تھا۔

''میں؟ میں کیوں بچاؤں گا۔'' وہ فوراً سے بولا۔

''کیوں؟ تم مجھے نہیں بچاؤ گے، پروفیسر۔'' پس مرگی طاری کرتے لہجے کو گلوگیر بنایا۔ وہ گڑبڑایا تو اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتی یکدم ہنس دی۔ وہ خفیف ہوا۔

''اب تمہاری باری!'' سیریس ہوتے اسے یاد دلایا تو وہ بھی ایک نظر نیلے پانی والی جھیل میں تیرتے کمل کے پھولوں کو دیکھ کر بولنا شروع ہوا۔

''امی نے میری کزن خنساء کے ساتھ میرا رشتہ طے کیا ہے۔''

''ارے واہ! پھر تو ہم ایک ہی پیج پر ہیں۔'' اس کی بات بیچ میں کاٹ کر کہا تو وہ اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیا۔ جو معذرت کرتے ہوئے اسے آگے بولنے کا کہہ کر خاموش ہوئی۔

''اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس رشتے سے انکار کر دوں کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔'' بغیر وقفے کے بات ختم کی۔

وہ چند پل سوچتی رہی۔

''اس میں مشکل کیا ہے، کر دو انکار۔'' آرام سے کہا جیسے اس کا مسئلہ تو کوئی مسئلہ ہی نہ ہو۔

''اور انکار کی وجہ کیا بتاؤں گا؟'' زارم نے اس کے مشورے پر افسوس کرتے پوچھا۔

''سہی بات ہے۔ تم تو برے پھنسے، پروفیسر۔'' بڑی ہمدردی جتائی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

پھر وہ یکدم پرجوش سی ہوتی اس کی جانب گھوم کر بیٹھی۔

''میرے پاس ایک حل ہے۔اس سے تمہارا مسئلہ بھی ختم اور میرا بھی۔'' پلکیں جھپکا کر کہا۔ زارم نے کچھ کہنے کی بجائے ابرو اچکایا۔

''شادی کرلو مجھ سے۔'' ایک ہی رو میں کہہ کر اس کے تاثرات دیکھے جو ساکت سا بیٹھا تھا۔ پھر اسے بے اختیار کھانسی کا دورہ پڑا۔ ایدا نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ کمر سہلانے کے لیے بے ساختہ ہاتھ بڑھایا پھر نفی میں سر ہلاتے واپس گرا دیا۔

''کیا ہوا، پروفیسر۔'' وہ کھانستا ہوا سیدھا ہوا اور ہاتھ اٹھا کر اسے ٹھیک ہوں کا اشارہ کیا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟'' منہ سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا۔

''کیوں، کیا کمی ہے مجھ میں؟'' اسے اس سے اتنے شدید ریکشن کی توقع نہیں تھی۔ پہلی بار اس نے کسی کو خود پرپوز کیا تھا اور اس نے ایسا ردعمل دے کر دوسرے لفظوں میں اسے ریجیکٹ ہی کر دیا تھا۔ اسے دکھ ہوا۔

''خوبصورت ہوں، پڑھی لکھی ہوں، خاندانی رئیس ہوں، اوپر سے کھانا بھی بنالیتی ہوں۔'' وہ اسے انگلیوں پر گن کر بتا رہی تھی۔ جبکہ وہ ساکت و جامد سا ابھی تک اس کا پرپوزل ہضم کر رہا تھا۔

پھر اس کے دماغ میں یکدم جھماکا سا ہوا۔ وہ تیورا کر گھومی۔

"ایک منٹ! اب یہ مت کہنا میں تمہاری بہنوں جیسی ہوں!" انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ جواباً اُس نے بے آواز استغفار دوہرایا۔

پھر اسے دیکھا جو شاک سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میری صرف ایک ہی بہن ہے۔" ٹھہر کر تصحیح کی تو اس نے اپنی اٹھی ہوئی انگلی نیچے گرائی۔

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔"

"تم سیریس ہو؟" اس کی ابھی تک تشفی نہیں ہوئی تھی۔ اب کے اس نے سنجیدہ سا اس کی گہری بھوری آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"تمہیں لگ رہا ہے میں مزاق کر رہی ہوں۔" زارم نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تو وہ ہنس دی۔ اس کے بالوں میں پتہ اب تک پھنسا ہوا تھا۔

"اور اگر بعد میں تمہیں اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا پھر؟" وہ ہر پہلو کو مد نظر رکھتا تھا۔ ابھی بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں پچھتاؤں گی۔" وہ پورے وثوق سے بولی تو اس نے سر ہلایا۔

"مجھے چننے کی کوئی خاص وجہ؟" وہ ایک آخر مرتبہ تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

"جیسے کے میں نے بتایا تم میرا واحد آپشن ہو، اور اس کے علاوہ تم بہت اچھے ہو۔"

اس نے سوچنے میں ذرا بھی وقت نہیں لگایا تھا۔

"میں اتنا بھی اچھا نہیں ہوں مس ایدا جتنا تمہیں لگتا ہوں۔"

وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہجہ ذو معنی تھا۔

"میرے لیے تو تم اچھے ہو اور باقیوں سے مجھے غرض نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ کر لیتے ہیں شادی۔"

بیری کا درخت اور نیلی جھیل ان کے اس انوکھے پرپوزل کی گواہ بنے تھے جو یوں ہی بیٹھے بیٹھے طے ہو گیا تھا۔ اور جو ان کی زندگیوں پر کس طرح سے اثر انداز ہونے والا تھا کسے معلوم....

آج موسم پھر سے ابر آلود تھا۔ وقفے وقفے سے سیاہ بادل آسمان پر چھائے نظر آتے تھے۔ ہوا بھی قدرے تھم گئی تھی۔ ایسے میں وہ سٹنگ ایریا میں صوفے پر بیٹھا اپنے سامنے لیپ ٹاپ کھولے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھ ہی سعد بیٹھا تھا جو ہاتھ میں ٹیبلٹ تھامے اسے ایونٹ کی بریفنگز دے رہا تھا۔ سنجیدہ تاثرات لیے وہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے سر ہلا دیتا۔

"صرف ایک مسئلہ ہے۔" سعد نے کہا۔

"کیا؟" لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

"آپ کی دوست کو ایک فیری ٹیل ویڈنگ چاہیئے مگر فلورل ورژن میں۔" اس نے ٹھہر کر کہا۔

"تو اس میں مسئلہ کہاں ہے؟" آر اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہمارے پاس کوئی بھی فلورل ڈیزائنر نہیں ہے۔میں نے کافیوں سے بات بھی کی ہے مگر اتنے شارٹ نوٹس پر کوئی بھی آمادہ نہیں ہو رہا۔"

اب کے وہ سیدھا ہو بیٹھا اور پیچھے صوفے سے ٹیک لگالی۔

آنکھوں میں تفکر کی پرچھائی لہرائی۔

"آپ کی دوست کو ذرا اور دیر سے بتانا چاہیے تھا۔"سعد نے طنزیہ جتایا۔جبکہ وہ خاموش بیٹھا رہا۔وہ یقیناً کچھ سوچ رہا تھا۔یکدم ہی سعد پر جوش سا ہو کر آگے ہوا۔

"آپ کی وہ دوست،میرا مطلب کزن،وہ بھی تو فلورل ڈیزائنر ہے۔آپ اس سے کیوں نہیں کہتے..." وہ جیسے مسئلے کا حل نکالے بہت خوش نظر آتا تھا۔آراس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"وہ پروفیشنلی کام نہیں کرتی،اس کی ایک فلوور شاپ ہے۔ویسے بھی اس کی اپنی شادی ہے،میں اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔"وہ کسی قدر سوچ کر بولا تھا۔سعد نے تاسف سے سر ہلایا۔پھر آگے ہوتے مزید کہا۔

"ایک بار اس سے بات کر کے دیکھ لیں۔"وہ جیسے باضد تھا۔مگر آراس اس سے مکمل نفی تھا۔

" مجھے نہیں لگتا وہ میری مدد کرے گی۔"وہ جانے کیا سوچ کر کہہ رہا تھا۔

جب سعد کی آنکھیں چمکیں۔

"آپ کے لیے کسی کو منانا کون سا مشکل ہے۔آپ کا سپیل کس دن کام آئے گا۔"وہ ذو معنی سا بولا۔

آراس نے اسے گھور کر دیکھا۔

''میں یہ نہیں کر سکتا۔''اس نے کہا۔

''کیوں نہیں کر سکتے ؟''وہ تڑخ کر بولا پھر اس کی نظروں کا سخت تاثر دیکھتے فوراً سیدھا ہوا۔''میرا مطلب ہے پہلے بھی کرتے تھے نا....''مدافعانہ انداز اپناتے کہا۔وہ کام میں ہمیشہ اپنا مفاد دیکھا کرتا تھا دوسرے کی ترجیحات نہیں۔اور آج وہ مداخلت سے انکاری تھا۔

''میرا ہیپنا سس اس پر کام نہیں کرتا۔''اس نے کہا تو سعد کے لب تحیر سے سکڑے۔یہ بھی ہونا تھا بھلا....

پھر وہ برا سا منہ بناتے پیچھے ہوا۔

''وہ آپ کو ایک فیور تو دے ہی سکتی ہے۔''ایک بار پھر بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہتے ہوئے وہ ٹیبلٹ اٹھائے پھر سے لے آوٹس دیکھنے لگا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر کچھ سوچتے ہوئے میز سے گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھاتے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔سعد نے نا سمجھی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر رخ پلٹ کر صوفے پر لیٹا ہی تھا،جب وہ صدر دروازے سے واپس مڑا۔

''ابھی تک تم نے اپنے لیے رہنے کا بندوبست نہیں کیا؟''تیز لہجے میں ابرو اچکا کر پوچھا۔وہ گڑبڑا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''ایک دو اپارٹمنٹس دیکھے ہیں،ابھی فائنل نہیں کیا۔''اس نے جلدی سے کہا۔

''آج ہی فائنل کرو اور شام تک گھر سے باہر نظر آؤ۔ تمہیں بیوی نہیں بنانے والا میں۔'' سیاہ شیڈز آنکھوں پر لگاتے آخر میں چوٹ کی تو وہ تلملا کر رہ گیا۔

''اس سے پہلے میں مرنا پسند کروں گا۔'' چڑ کر کہا۔

''جو بھی کرنا ہے شام سے پہلے تک کر لینا۔'' اس کے اطمینان میں رتی برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

''قرضے نے ہاتھ باندھ رکھے ہیں میرے، ورنہ کب کی جاب چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔'' اس نے دھمکی تھی۔

وہ پُر سکون سا کھڑا رہا۔

''پاؤں تو کھلے ہیں نا....'' مسکراہٹ دبا کر بولا۔

سعد لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

''غریب کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا اچھی صفت نہیں۔'' جو بس میں آیا کہہ گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا ابھی اس نوکری پر لات مار کر نکل جائے۔ مگر پھر وہی پیسہ....

''پہلا غریب دیکھا ہے جس کی اتنی گرل فرینڈز ہیں۔'' اب کی بار حملہ ذاتی تھا۔

''حاسدوں کے لیے برا ٹھکانہ ہے۔'' کچھ جتا کر کہا۔

''اتنے برے دن نہیں آئے میرے۔ ویسے اس لڑکی کا کیا نام تھا جس سے ابھی ابھی تمہارا بریک اپ ہوا...'' وار کاری تھا۔ اس کے دل پر بجلی بن کر لوٹا۔

''بھائی!!'' کشن کو مٹھی میں بھینچتے وہ احتجاجاً چلایا۔

''واٹ ایور۔'' ہاتھ جھکا کر تپتپاتی مسکراہٹ اچھالتا وہ مڑ گیا۔

سعد نے ہاتھ میں پکڑا کشن اس جانب پھینکا جہاں سے وہ ابھی گیا تھا۔ پھر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اتنے بڑے گھر پر وہ ناگ بن کر بیٹھا تھا۔ تاسف سے سر جھٹکتا وہ پھر سے صوفے پر لیٹ چکا تھا۔ شام کی شام کو دیکھی جاتی۔ فلحال اسے موسم انجوائے کرنا تھا پھر یاد آیا اس کا تو بریک اپ ہو چکا ہے۔ روہانسی شکل بناتے انسٹا پر ایک سیڈ پوسٹ کی۔ چند لمحوں بعد فرینڈ اس کے اکاؤنٹ پر ریکوئسٹ کا میسج ابھرا۔ کسی لڑکی کی آئی ڈی تھی۔ پروفائل پکچر میں ایک گلابی شیڈ بالوں والی لڑکی نظر آتی تھی، چہرہ البتہ واضح نہ تھا۔ بریک اپ بھلائے اب وہ اسے میسج کر رہا تھا۔

دیواروں نے پل پل بدلتے اس لڑکے کو افسوس سے دیکھا اور سرگوشی نما انداز میں بولیں۔ یہ سنگل ہی مرے گا....

گلاس ڈور کے باہر وہ اسٹینڈ پر سجے پھولوں کے بوکیز سمیٹ رہی تھی۔ موسم کے مزاج کچھ اچھے نہ تھے۔ ہوائیں اب کے دھیرے دھیرے تیز ہو رہی تھیں۔ وہ عجلت میں ہاتھ چلانے لگی جب اس کے فون پر ایک نوٹیفکیشن ابھرا۔ ایک محظوظ مسکراہٹ نے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔ تیز چلتی ہواؤں کے بیچ وہ فرصت سے فون نکالے، جوابی میسج ٹائپ کر رہی تھی۔ ہوا سے اس کے باب کٹ ہرے پیلے بال اڑ اڑ جاتے۔ اس نے حال ہی میں ان کا کلر چینج کیا تھا۔ آئیسل کے مطابق وہ اپنی سیلری انہیں سب شوق میں اڑا دیتی تھی۔

جبکہ اس سب سے بے نیاز گلاس ڈور کے اندر کا منظر یکسر مختلف تھا۔ آج وہ کھڑے ہونے کی بجائے سٹول پر بیٹھی تھی۔ سامنے کاؤنٹر ٹیبل پر رنگ برنگے چھوٹے بڑے پھولوں کا انبار لگا تھا۔ کچھ کے پتے علیحدہ کر کے ایک طرف رکھے تھے۔ سر جھکائے وہ انہماک سے پھولوں کا اکلیل بنا رہی تھی۔ ایک آخری پتی کو بل دیتے اس نے مضبوطی کے لیے ننھا سا ہک لگا دیا۔ پھر اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر مسکرائی۔ اب وہ اسٹول سے اٹھ کر اپنے پیچھے لگے دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بل دار بھورے بال پشت پر پھیلے تھے، کچھ لٹیں چہرے کے اطراف بکھری تھیں۔ ان سب سے بے نیاز اس نے اکلیل اونچا کر کے اپنے سر پر سجایا۔ سفید گلابوں سے مزین وہ بہت خوبصورت تھا۔ وہ یوں ہی آس پاس سے بے نیاز خود کو آئینے میں دیکھے گئی جب اس کے ساتھ کسی اور کا عکس آٹھہرا۔ وہ عین اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ شیشے میں اس کا یک طرفہ چہرہ نظر آ رہا تھا جبکہ وہ پورے پر غالب تھی۔ سیاہ لیدر جیکٹ پہنے سیاہ آنکھوں والا آراس یامین.... دونوں ہاتھ ابھی تک اکلیل پر جمے تھے اور خود وہ سکوت کا شکار تھی۔ پھر اس میں ہلکے سے جنبش ہوئی، پلکیں لرزیں... اس نے ہولے سے رخ موڑ کر دیکھا، اب وہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکرا کر اسے دیکھتا۔ وہ اتنا عدم رہا تھا کہ وہ اس کے حقیقت ہو جانے کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

''آج بھی اتنا ہی خوبصورت ہے جتنا پہلے روز تھا۔'' اس نے کہا۔ وہ چونکی۔ پھر نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ اس نے انگلی سے ہاتھ میں تھامے اکلیل کی جانب اشارہ کیا۔

''میں اس کی بات کررہا ہوں۔جب تم نے پہلی بار بنایا تھا تب بھی بہت خوبصورت بنا تھا۔تم شروع سے جانتی تھی تمہیں کیا کرنا ہے۔''اس نے جیسے سراہا۔بچپن کے کسی قصے کا حوالہ بھی دیا۔آئیسل نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر احساس ہوا وہ کہاں کھڑی ہے۔اسے نیچے رکھ کر دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹے اور ایپرن اتار کر ایک جانب رکھے لکڑی کے اسٹینڈ پر لٹکایا،وہیں سے اپنا گلابی اسٹالر اٹھا کر گلے میں ڈالا۔

''کوئی کام تھا؟''ساتھ ہی پوچھا۔وہ جو گردن جھکائے زمین پر بوٹ رگڑ تھا،اس کے مخاطب کرنے پر بے ساختہ اٹھائی پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''ایکچولی،مجھے تم سے ایک فیور چاہیے۔''دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی رضامندی چاہی۔

''کس نوعیت کا فیور؟''آئیسل نے پوچھا۔ساتھ ساتھ وہ کاؤنٹر پر پھیلا کچرا بھی صاف کررہی تھی۔ دانستہ سر جھکا رکھا تھا۔دفعتاً گلاس ڈور کھول کر ریم اندر داخل ہوئی۔ہاتھ میں پھولوں سے بھری باسکٹ اٹھا رکھی تھی۔دونوں میں سے کسی نے بھی مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔وہ بھی خاموشی سے ایک طرف بنے چھوٹے سے سٹور یج روم میں داخل ہوگئی۔

''میری ایک دوست کی شادی ہے۔اس نے مجھے خاص اپنا ایونٹ آرگنائز کرنے کے لیے بلایا ہے اور تھیم کے مطابق مجھے ایک فلوور آرٹسٹ کی ضرورت ہے۔''اس نے پوری بات تفصیل سے بتائی۔اس کے صفائی کرتے ہاتھ ایک پل کو تھمے۔دل میں ایک خلا سا پیدا ہوا۔تو یعنی وہ اس لیے آیا تھا....

”میں پروفیشنلی کام نہیں کرتی، نہ ہی مجھے شوق ہے۔“ اب کی بار اس نے نظریں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ یہ تو جانتا ہی ہو گا نہ وہ....

”اسی لیے تو تم سے فیور مانگ رہا ہوں۔ بدلے میں....“

”مجھے بدلے میں کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ چکی تھی۔ وہ رک گیا۔

”تو میں اسے ہاں سمجھوں۔“ ابرو اچکا کر تصدیق چاہی۔

آئیسل نے ایک پل کو رک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کا اعتماد بتاتا تھا کہ آئیسل جلبانی اسے ناں نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بھی اس کا بھرم نہ ٹوٹنے دیا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ مسکرایا۔ دروازہ ایک بار پھر سے کھلا، اب کہ دونوں نے بیک وقت اس طرف دیکھا۔ سامنے ہی ایدا دروازہ بند کرتے مڑی۔ عجلت میں کچھ کہتی کہتی وہ رک گئی تھی۔ نظر آراس پر پڑی تھی، وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چند پل وہ وہیں ٹکی رہی پھر اس نے قدم بڑھائے اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

تینوں کے مابین خاموشی حائل تھی۔ دورانیہ لمبا ہوتا گیا یہاں تک کہ ریم کو گمان ہوا کے وہ بت بن گئے ہیں۔ سر جھٹکتی وہ پھر سے غائب ہو گئی۔ یادوں کا ایک ریلہ تھا جو ان تینوں کو بہا لے گیا۔ ایدا نے گہرا سانس بھرا، نظریں آراس پر ہی جمی تھیں پھر اس کے ہونٹوں پر اداس سی مسکان ابھری۔

”مجھے نہیں پتا تھا آج ہمارا minions reunion ہے۔“ اس نے دونوں کو دیکھ کر کہا۔ جمود ٹوٹا تو آراس بھی مسکرایا۔

”سرپرائز!“ وہ کندھے اچکا کر بولا۔

ایدا ہنس دی۔ پھر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"بڑے آدمی بن گئے ہو۔" وہ اس کے لیے خوش تھی۔

"اور تم پہلے سے زیادہ مضبوط۔" لہجے میں فخر تھا۔

"اور کوئی چوائس ہی نہیں تھی۔" جتا کر کہا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

ان دونوں کا باتوں میں مصروف دیکھ کر آئیسل نے گلا کھنکھارا۔ دونوں نے بیک وقت اس کی جانب دیکھا تو وہ گڑبڑائی۔ پھر گردن اٹھا کر بولی۔

"غالباً میں بھی اس ری یونین کا حصہ ہوں۔" جتاتا لہجہ۔ جبکہ اسے دیکھتے ہی ایدا کو اپنے یہاں آنے کی وجہ یاد آئی اور وہ فوراً سے اس کی طرف بڑھی۔

"یہ کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے تم نے۔ شادی تمہاری ہے اور آنٹی سے ڈانٹ مجھے پڑ رہی ہے۔" اس کے کندھے پر ہلکی سی دھپ رسید کرتے کہا۔

"کیا کر دیا میں نے؟" بازو سہلاتے پوچھا۔

"کچھ کیا ہی تو نہیں ہے تم نے۔ آج تمہارا مایوں ہے اور تم ابھی تک دکان کھول کر بیٹھی ہو۔"

ایدا کے ڈانٹ کر کہنے پر اس نے کچھ کہنا چاہا پھر رک گئی۔ جبکہ ایدا مزید کہہ رہی تھی۔

"میں تمہاری مایوں کا ڈریس لینے جا رہی ہوں جو ابھی تک ڈیلیور نہیں ہوا اور تم فوراً سے پہلے گھر پہنچو۔"

اس کو ہدایت کرتی اب وہ آرا س کی جانب پلٹی۔ جلدی میں اسے گڈ بائے کہہ کر وہ نکل گئی۔ پیچھے اب آئیسل اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ کن اکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ نہیں گیا تھا۔ ریم کو بلا کر کل

جو آرڈرز بھجوانے ہیں ان کی لسٹ تھمائی اور مزید ایک دو باتوں کے بعد وہ پلٹی تو نظریں آراس سے ٹکرائیں۔ وہ اس کے چہرے پر رقم سوالیہ تاثرات بھانپتے خود ہی گویا ہوا۔

''میں بھی گھر ہی جا رہا ہوں۔ ساتھ چلتے ہیں۔'' اس نے پیشکش کی۔ وہ چند لحظے سوچ میں گم کھڑی رہی پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ آراس نے اسے ہاتھ سے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ گلاس ڈور کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔ دیوار کے ساتھ ایک باسکٹ پڑی تھی جو پھولوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ یقیناً اس کی مایوں کے لیے تھے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا اکلیل بھی باقی پھولوں کے ساتھ اوپر رکھ دیا اور جھک کر باسکٹ اٹھا لی۔ آراس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہ باہر نکل گئی تو وہ بھی دروازہ بند کرتا اس کے پیچھے باہر آیا۔

ایک بار پھر وہ دائیں بازو میں ڈالی باسکٹ سے پھولوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ آ ٹھہرا۔ وہ دونوں اب شیڈ تلے ایک ساتھ کھڑے تھے۔

''باقی سب سے نہیں ملے تم؟'' بظاہر وہ پھولوں کو دیکھ رہی تھی مگر وہ مجسم اس کی جانب متوجہ تھی۔

اس نے گہرا سانس بھرا۔ ہوا میں بارش کی متوقع مہک بکھری ہوئی تھی۔

''مل چکا ہوں۔ تم سے ملنے کے بعد خالہ اور زارم سے ملا تھا۔ اور ایدا سے تو تمہارے سامنے ہی ملاقات ہوئی۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سامنے دیکھتے بولا۔

''اور تایا ابو سے؟'' اس نے پھولوں سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ نارمل نظر آتا تھا۔ چہرے پر کوئی تناؤ نہیں تھا نہ ہی ماتھے پر بل۔ اگر وہ اس کی طرف سے کسی شدید ردعمل کی متلاشی تھی تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ خاموش تھا اور خاموش ہی رہا۔ اور شاید یہی اس کا جواب بھی دیتا۔

اس لحظے بادل زور سے گرجے۔آسمان کا سینہ چیر کر پانی کا ایک قطرہ زمین پر آ گرا۔اور پھر یکے بعد دیگرے کئی قطرے برسنے لگے۔آن کی آن میں بارش کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

اس نے گردن گھما کر سامنے دیکھا۔ان کی گاڑی سڑک کے اس پار کھڑی تھی۔یعنی انہیں کراسنگ کی سفید پٹیاں پار کر کے اس پار جانا تھا۔

گلاس ڈور کے اندر سے ریم ان دونوں کو وہیں ٹھہرا دیکھے بھاگ کر چھاتہ لے آئی،جو آراس نے آدھے کھلے دروازے سے تھام لیا۔

وہ دو تھے اور چھاتہ ایک۔مگر مسئلہ ان دونوں کا نہیں تھا بلکہ اس تیسری چیز کا تھا جو آئیسل نے تھام رکھی تھی۔سنہرے رنگ کی وہ بڑی سی باسکٹ جو سرے تک پھولوں سے بھری ہوئی تھی۔کچھ سوچتے ہوئے اس نے چھاتہ کھولا اور آئیسل کے اوپر کر دیا۔اب وہ بھی سیف تھی اور اس کے پھول بھی۔

آئیسل نے گردن اٹھا کر ایک نظر سر پر تنے چھاتے پر ڈالی اور دوسری اس پر جس نے اس تھام رکھا تھا۔اس نے تحیر لیے اسے دیکھا۔

”تمہارا کیا ہو گا؟ایسے تو تم بھیگ جاؤ گے۔“اسے فکر ہوئی۔وہ مسکرا دیا۔یہ مسکراہٹ سیاہ آنکھوں تک پہنچی تھی۔

”کوئی بات نہیں۔تمہارے پھول ضروری ہیں۔“اس نے کہہ دیا۔جبکہ وہ تھم گئی۔رک گئی۔نظریں اسی پر جما رکھی تھیں۔اسے خود سے زیادہ اس کے پھولوں کی فکر تھی۔

”چلیں؟“وہ اسے ہاتھ سے چلنے کا اشارہ کرتے ایک قدم آگے بڑھا تو وہ بھی اس کے ہمقدم ہوئی۔

اب وہ دونوں کراسنگ کی پٹیوں پر آگے بڑھتے جارہے تھے۔اسکارف والی لڑکی نے ہاتھ میں ایک باسکٹ تھام رکھی تھی اور سیاہ جیکٹ والا لڑکا خود بھیگتے ہوئے اس کے سر پر چھاتہ کیے ہوا تھا۔وہ منظر دیر تک نگاہوں میں ٹھہرا رہا۔

برائیڈل روم میں دولہن بنی بیٹھی وہ سنگار آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔عام دلہنوں کی طرح اس نے سرخ لباس کی بجائے سفید رنگ کا عروسی جوڑا زیب تن کرر کھا تھا۔سفید دوپٹہ جس کی پٹی سنہری تھی، پر سنہری دھاگوں سے بڑے بڑے پھول بنے تھے، جن کے درمیان لگے سفید موتی چمکتے نظر آئے۔ سنہری آنکھوں سنگ ہم رنگ جوڑے میں ملبوس وہ ایک سنہری پری لگ رہی تھی۔

کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔وہ یک ٹک سی بغیر پلکیں جھپکائے خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔گود میں دھرے ہاتھوں پر کوئی مہندی نہیں لگی تھی اور اس کی آنکھیں، وہاں جیسے کوئی روشنی ہی نہ تھی۔سارے چراغ بجھ گئے ہوں جیسے۔وہ ایک مرتبہ پھر سرگوشی نما آوازوں کی زد میں قید ہوئی تھی۔سرخ ہونٹ ہولے ہولے لرز رہے تھے اور شاید اس کے پورے وجود پر ہی لرزہ طاری تھا۔

آئینہ حال سے نکل کر ماضی بن گیا تھا۔وہ ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے کھڑی تھی۔لیکن اس دفعہ وہ دلہن کے لباس میں نہیں تھی، اگرچہ سر پر ایک سرخ چنری اوڑھ رکھی تھی۔جو اس کے قد سے بڑی تھی اور آدھی فرش پر پھیلی تھی۔وہ دوپٹے کو سر کے مقام پر دونوں ہاتھوں سے تھامے گھوم کر خود کو ہر

زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں رونق۔ دفعتاً کوئی اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ آئینے میں اس کا عکس ابھرا۔ دراز قد، پرکشش سراپا۔

''میری آئیسل بھی دلہن بنے گی؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ لڑکی نے آنکھیں اٹھا کر اپنے پیچھے کھڑی عورت کو دیکھا اور کچھ جھجھکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''جب میں دلہن بنوں گی تو میں آپ کا دوپٹہ اوڑھوں گی۔'' وہ جیسے فیصلہ کر چکی تھی۔ اسے یہی چنری اوڑھنی تھی۔ عورت مسکرائی اور کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب پھیرا۔

''جیسا تم چاہو۔'' اس نے منظوری دے دی تو وہ خوشی سے چہک اٹھی پھر کچھ پریشان سا ہو کر اسے دیکھا۔

''لیکن گل، میں کس کی دلہن بنوں گی؟'' یہ سوال بہت اہم تھا۔ اسے واقعی فکر ہوئی تھی۔ جبکہ گل مسکرائی اور سرخ دوپٹہ اس کے سر پر اچھے سے جماتے اسے ٹھہر کر دیکھا۔

''میرے آراس کی۔ تم میرے آراس کی دلہن بنو گی۔''

اس نے کہا تو آئیسل نے پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا پھر وہ مسکرائی، شرمائی اور آخر میں سر جھکا دیا۔ گال بے ساختہ ہی لال ہوئے تھے۔ گل اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتی ہنس دی، جبکہ اس کے کچے ذہن میں یہ بات جیسے پکی ہو کر نقش ہو گئی تھی۔

آئینے نے ایک بار پھر ماضی سے حال تک کا سفر تہہ کیا۔ اب وہ دلہن کے روپ میں سامنے بیٹھی تھی اور چاروں جانب سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔ اسے لگا وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔ وہ مجسم سوال

تھی اور بار بار ایک ہی جملہ دوہرا رہی تھی۔ وہ اس کے آر اس کی دلہن ہے۔ وہ اس کے آر اس کی دلہن بنے گی۔ مگر وہ تو کسی اور کی دلہن بننے جا رہی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں اور آوازوں کا راستہ روکنے کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں پر رکھ لیے۔ حرکت پر کنگھن کھنکھنا اٹھے اور ماتھے پر سجی بندیا جھوم کر رہ گئی۔ کچھ تعویق کے بعد وہ عجلت میں کسی کو میسج کرتی دکھائی دی۔ انگلیاں بار بار لرز کر رہ جاتیں مگر وہ پیغام لکھتی رہی۔

اس سے علیحدہ ہوں تو کچھ سرگوشیاں کمرے کے باہر بھی گونج رہی تھیں مگر ان کی تعداد زیادہ تھی اور وہ مجسم تھیں۔ ہال نما اسٹیج کے درمیان رکھے صوفوں میں سے ایک پر طروبہ بیگم نڈھال سی بیٹھی تھیں۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اضطرابی انداز میں وہ ایک کے بعد ایک تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔ نظریں سامنے بڑے سے ہال میں گردش کر رہی تھیں۔ ہر چہرہ بول اٹھا تھا۔ ہر زبان پر سوال تھا۔ نکاح میں دیر کیوں ہو رہی تھی؟ دلہا ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا؟ اور ان جیسے کئی سوال....

اسٹیج سے کچھ دور ایک طرف رکھی میز کے گرد پھوپھو شہناز منہ چھپائے بیٹھی نظر آئیں۔ ان کے ساتھ کھڑی خنساء بار بار ایک ہی نمبر ملائے جا رہی تھی جو ایک بار بھی نہیں اٹھایا گیا۔

"اس سے کہہ کہ اسے اپنے مرے ہوئے باپ کا واسطہ ہے، آ جائے۔ میری عزت کو یوں سرِعام نیلام نہ کرے۔" پھوپھو نے کچھ روتے ہوئے دہائی دی۔ خنساء نے گھبرا کر ماں کو دیکھا۔

"امی، آپ ریلیکس رہیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر ان کے سامنے کیا جو انہوں نے فوراً ہی جھٹک دیا۔

"اسے فون ملاؤ۔اسے کہو وہ جلدی آ جائے، مہمان انتظار کر رہے ہیں، وقت بیت رہا ہے۔"

خنساء پچھلے آدھے گھنٹے سے ماں کی ایک ہی بات سنتے جھنجھلائی۔اس کے عقب میں اسٹیج کی دوسری جانب ایدا ہاتھ میں موبائل لیے کھڑی تھی۔وہ بار بار کچھ لکھ کر مٹا رہی تھی۔چہرے پر تناؤ واضح تھا۔ اسے کوئی فیصلہ تو لینا پڑے گا۔بالآخر اس نے آنکھیں بند کرتے گہرا سانس بھرا اور جب کھولیں تو ان میں ارادے کی پختگی جھلکتی تھی۔اس نے میسج ٹائپ کیا اور مقابل کو بھیج دیا۔اس کی نظریں اب منتظر سی ہال کے دہانے پر جمی تھیں۔اسے اپنا جواب مل گیا تھا۔وہ پُر سکون تھی۔

"وہ نہیں آئے گا، امی۔" خنساء نے دبے لہجے میں چلا کر ماں کو باور کرایا۔وہ خود بھی پریشان تھی مگر اب وہ انہیں مزید کھوکھلی ڈھارس نہیں بندھوا سکتی تھی۔

"یوں نہ کہہ۔" انہوں نے دہل کر سینے پر ہاتھ دھرا۔

آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔

"یہی سچ ہے، امی۔"

دوسری جانب زارم طروبہ بیگم کے قریب جھکا نظر آیا۔وہ ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ان کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔

"وہ آ رہا ہے۔" اس نے جیسے اعلانیہ کہا۔وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔

کچھ دیر مزید گزری اور پھر وہ ہال کے سرے پر نمودار ہوا۔قدم قدم چلتا وہ قریب آ رہا تھا۔سب کی نظریں اس جانب اٹھ گئیں۔چلتی زبانیں یک لخت ہی تھمیں۔سفید شلوار قمیض میں ملبوس دراز قد اور

اٹھی ہوئی گردن والا مرداب طروبہ بیگم کے آگے سینے پر ہاتھ دھرے جھکا ہوا تھا۔انہوں نے اس کے بالوں سے بھرے سر پر ہاتھ پھیرا اور تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

چاروں جانب اب نکاح کی صدا بلند ہوئی۔

ان سب سے بے نیاز خود سے الجھتی دلہن کے کمرے کا دروازہ اچانک ہی کھلا۔چوکھٹ پر ایداد کھائی دی۔اس کے ہاتھ میں ایک سرخ جالی دار دوپٹہ تھا جو اس نے کھول کے آئیسل کے سر پر ڈال دیا۔اس کا چہرہ دوپٹے کے پیچھے چھپ گیا۔

اسے لا کر اسٹیج پر دولہے کے سامنے بیٹھایا گیا تب بھی وہ کسی گڑیا کی مانند خاموش رہی، جو چابی پر چلتی تھی۔آس پاس کا کچھ خیال نہیں تھا۔برف جیسے خول میں تب دراڑ پڑی جب قاضی نے نکاح کے کلمات ادا کیے۔اس نے چہرہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔درمیان میں پردہ حائل تھا تو وہ مقابل کا چہرہ نہ دیکھ سکی،البتہ نکاح کے کلمات کانوں میں گونج رہے تھے۔اس کے اندر کا شور تھم گیا تھا مگر باہر کا شور مزید بڑھ گیا۔وہ یوں ہی ساکت و صامت بیٹھی رہی۔ذہن ابھی تک پچھلے جملے میں الجھا ہوا تھا۔وہ نام، وہ کوئی عام نام تو نہیں تھا۔

قاضی نے ایک مرتبہ پھر اس کی رضامندی چاہی۔

”آئیسل جلبانی، آپ کو آراس یامین ولد عبدل یامین سے یہ نکاح قبول ہے؟“ خاموشی، گہری خاموشی۔”کیا آپ کو قبول ہے؟“ پھر سے دوہرایا۔اب کے یامین تایا آگے بڑھے اور اس کی جانب جھکتے اس کے ہاتھ تھامے تو وہ سرد تھے۔وہ نرمی سے اسے متوجہ کر رہے تھے۔

اب کہ اس نے مشینی انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔اسے آراس یامین کے نکاح میں دیا جا رہا تھا اور وہ ہر بار قبول کر رہی تھی۔نکاح نامے پر دستخط کرتے وقت اس کے ہاتھ کپکپاتے رہے۔

گل نے کہا تھا وہ آراس کی دلہن بنے گی اور وہ اس کی دلہن بن گئی تھی۔

جاری ہے۔۔۔۔۔۔